شاعری اور نسائی شعور: منتخب شاعرات کی نثری نظموں کا تحقیقی مطالعہ

مقالہ برائے ایم فل (اُردو)

مقالہ نگار:

رومیصہ سہیل علوی

فیکلٹی آف لینگویجز

نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

نومبر ۲۰۲۲ء

شاعری اور نسائی شعور: منتخب شاعرات کی نثری نظموں کا تحقیقی مطالعہ

مقالہ نگار

رومیصہ سہیل علوی

یہ مقالہ

ایم فل (اُردو)

کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا۔

فیکلٹی آف لینگویجز

(اُردو زبان وادب)

فیکلٹی آف لینگویجز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

نومبر ۲۰۲۲ء

رومیصہ سہیل علوی

مقالے کا دفاع اور منظوری کا فارم

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف لینگویجز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے کا عنوان: شاعری اور نسائی شعور: منتخب شاعرات کی نثری نظموں کا تحقیقی مطالعہ

پیش کار: رومیصہ سہیل علوی رجسٹریشن نمبر:MP- F19-15399

ماسٹر آف فلاسفی

شعبہ: اُردو زبان وادب

ڈاکٹر رخشندہ مراد _____

نگران مقالہ

ڈاکٹر صنوبر الطاف _____

معاون نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر جمیل اصغر جامی _____

ڈین فیکلٹی آف لینگویجز

پروفیسر ڈاکٹر عامر اعجاز _____

پرو ریکٹر اکیڈمکس

تاریخ:

اقرار نامہ

میں رومیصہ سہیل علوی حلفیہ بیان کرتی ہوں کہ اس مقالے میں پیش کیا گیا کام میرا ذاتی ہے اور نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد کے ایم-فل (اردو) سکالر کی حیثیت سے ڈاکٹر رخشندہ مراد اور ڈاکٹر صنوبر الطاف کی نگرانی میں مکمل کیا ہے۔ یہ تحقیقی مقالہ کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں ڈگری کے حصول کے لئے پیش نہیں کیا ہے اور نہ ہی آئندہ پیش کیا جائے گا۔

رومیصہ سہیل علوی

ایم فل (اُردو)

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

فہرست ابواب

عنوان	صفحہ نمبر
مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم	iii
اقرار نامہ	iv
فہرست ابواب	v
Abstract	x
اظہارِ تشکر	xii

باب اول: نسائیت، معنی و مفہوم اور بنیادی مباحث

الف۔ تمہید

i. موضوع کا تعارف

ii. بیان مسئلہ

iii. مقاصد تحقیق

iv. تحقیقی سوالات

v. نظری دائرہ کار

vi. تحقیقی طریق کار

vii. مجوزہ موضوع پر ما قبل تحقیق

viii. تحدید

ix. پس منظری مطالعہ

x. تحقیق کی اہمیت

(ب) نسائیت کا تعارف

I ۔ تعریف معنی مفہوم
II۔ نسائی نسوانی اور نسائیت میں فرق
III ۔ نسائیت کا مشرقی تناظر
(ج): منتخب شاعرات کی نثری نظم
I ۔ نثری نظم (تعارف)
II ۔ نجمہ منصور، عذرا عباس، سدرہ سحر عمران اور عارفہ شہزاد کی نثری نظم (تعارف)
حوالہ جات
باب دوم: منتخب شاعرات کی نظموں میں نسائی حسیات کے شعور کا جائزہ

نسائی شعور	نظموں کے نام	شاعرات
I ۔ تشخص کی تلاش واثبات	(سوچو)	(نجمہ منصور)
	(چوگا چنتی چڑیا کے دکھ!)	(نجمہ منصور)
	(میرے لیے ایک نظم)	(نجمہ منصور)
	(سانولی نظم)	(نجمہ منصور)
	(رات ہونے تک)	(نجمہ منصور)
	(سارے موسم دکھ کے موسم نہیں ہوتے)	(نجمہ منصور)
	(جب سارا دن گزر جاتا ہے)	(عذرا عباس)
	(اس زندگی کے بدلے)	(عذرا عباس)
	(میری آنکھیں)	(عذرا عباس)
	(گردشوں کے پھیر)	(عذرا عباس)
	(دھکیلو مجھے)	(عارفہ شہزاد)
	(لفظ اور لمس میں حنوط)	(عارفہ شہزاد)
	(تم جانتے ہو)	(عارفہ شہزاد)

(رنگ رسیا)	(عارفہ شہزاد)
(ایک دن منایا جانا چاہیے!)	(عارفہ شہزاد)
(زنجیروں پہ سیلز ٹیکس)	(سدرہ سحر عمران)
(یہ شہر بارش اگوا نہیں کر سکتا)	(سدرہ سحر عمران)
(اندھیرا کوئی عقیدہ نہیں رکھتا)	(سدرہ سحر عمران)

حوالہ جات

باب سوم: منتخب شاعرات کی نظموں میں نسائی کیفیات کا جائزہ

نسائی کیفیات	نظموں کے نام	شاعرات
I۔ تنہائی	(پگلی چڑیا)	(نجمہ منصور)
	(مجھے پورا یقین ہے)	(نجمہ منصور)
	(ایک چپ لگی)	(عذرا عباس)
	(جیت کس کی ہو گی)	(عذرا عباس)
	(اندھیرا کوئی عقیدہ نہیں رکھتا)	(سدرہ سحر عمران)
II۔ گہرے دکھ کی کیفیت	(سب درد ہے!)	(نجمہ منصور)
	(یہ صدی)	(عذرا عباس)
	(دھکیلو مجھے)	(عارفہ شہزاد)
III۔ لاچاری، بے بسی	(کہا ہے نہ)	(نجمہ منصور)
	(کیا کروں؟)	(نجمہ منصور)
	(اپاہج خواب اور آنکھوں کی بیساکھیاں)	(سدرہ سحر عمران)
	(خوش خوراک بدن)	(سدرہ سحر عمران)
	(ایک چپ لگی)	(عذرا عباس)
	(ہاتھ کھول دیے جائیں)	(عذرا عباس)

IV۔قید (سوچو) (نجمہ منصور)
(بے وطن عورت کا مارچ 1) (سدرہ سحر عمران)
(سٹور میں چھپا کر رکھی گئی محبت) (سدرہ سحر عمران)
(میری آنکھیں) (عذرا عباس)
V۔اداسی (سنو چنچل لڑکی) (نجمہ منصور)
(یہ دل نہیں مانتا) (عذرا عباس)
VI۔مشرقی نسائیت (ایک اور سانولی نظم) (نجمہ منصور)
(ایک نظم) (نجمہ منصور)
(تیسرے درجے کی محبت) (سدرہ سحر عمران)
(اور تم۔۔۔۔) (سدرہ سحر عمران)
(ایک چپ لگی) (عذرا عباس)
VII۔باغیانہ رویہ (میں زنجیر کی زبان نہیں جانتی) (سدرہ سحر عمران)
(مجھے پہلی صف کے لیے چنا گیا تھا) (سدرہ سحر عمران)

حوالہ جات

باب چہارم: مجموعی جائزہ، تحقیقی نتائج، سفارشات

الف۔ مجموعی جائزہ

ب۔ تحقیقی نتائج

ج۔ سفارشات

کتابیات

ABSTRACT

Poetry & Feminism: Research Study of Prose Poems of selected Poetesses.

.

In different societies women were treated badly, they face so many difficulties to get the rights equal to men. A woman didn't have her own identity; she was recognized as a daughter, wife, mother or sister. Different civilizations use different methods to insult women and make her ashamed of herself. Women had faced brutal behaviors for so long and to raise the voice against all these brutal acts different women organization were introduced, As a result women starts raising voice for their rights. Women rights organization was an organization which fought for the rights of women equal to men and their individual thoughts and decisions. Women education and training got attention and for this purpose special training and education centers were made. Some men also talk about the rights of women and got the title of feminist. The basic aim of these organizations is not to raise differences and hate but only to help the women to have their rights.

The movement of Feminism was started from the west. The main aim of this movement was to fight against gender stereotypes and to protect the rights of the women so that the woman could be independent and free to take her decisions, she should not be interrupted or stopped by her father, brother or husband. In the result of this western movement women start getting their rights gradually. Women's education, jobs, domestic, social and personal issues were discussed due to which on international platformwomen's right were discussed so that women could be treated equally in the society.

Women got to know about their right and they started to raise their voices by the power of the pen. In the west Virginia woolf and Simone de Beauvoir wrote about the problems of women.

The journels like "Taleem-e-Naswaan" and "Tehzeeb-e-Naswaan" played an important role to wake the consciousnessin women about their rights. In novels and fictional stories writers also wrote about the problems of women and how they faced Coercion and exploitation. Asmat Chugtai, Hajra Masroor, Qurat-ul-ain Haider and Bano Qudsia wrote about the social and individual issues of women.

In poetesses Ada Jafri, Fehmeeda Riaz, Kishwar Naheed and Parveen Shakir have the glimpse of feminism in their poetry, there is touch of eastern cultural and somewhere rebel thoughts of feminism in their poetry. Fehmeeda and Kishwar Naheed openly discussed the issues of women in their poetry. Kiswar Naheed did unforgettable work for feminism; she brought the aspects of a woman's life like body, self-realization, and baseless interruptions into attention.

The poems of Azra Abaas, Najma Mansoor, Sidra Sehr Imran and Aarifa Shahzad depict the problems of domestic women, prostitutes and young girls. These poetesses express the sense of feminism and its conditions in their prose poetry. A woman can truly explain the feelings and emotions of other woman. In their poetry we can see pain of a woman's unfulfilled desires, the prick of the pieces of their crashed dreams,the issues faced by them in the society, exploitation and their lost identity.Moreover it is also discussed that now women are so sensible they are raising their voices for their rights, the busy routine of woman is also discussed as by getting busy in the house chores she forget her dreams and now she is so much caged by work of home but she wants to fly with her dreams because her unfulfilled dreams gives her so much pain so that's why she is struggling to fulfill her dream.

We can also see the struggle for freedom in the poems of all these poetesses. When women examine their surroundings then they decide to break the restraints applied on them because they don't want to be in the part of this suffocated environment anymore. She can't and don't want to take the responsibility of all moral values all alone and starts the journey of self-realization.

Conclusion:

My research concludes the following points.

1. By explaining the concept of feminism it is told that how much cruel acts and injustice women had been facing.
2. Pain, suffering, affliction and helplessness of women can be seen clearly in the poems of Azra Abbas, Najma Mansoor, Sidra Sehar Imran and Aarifa Shahzad.
3. In the poems of all poetesses we can see the protesting behavior, somewhere its light and sometimes it gets so strong.
4. There is the voice of feminism in the poetry of these poetesses, they have observed and discussed all the aspects of women's life beautifully.

اظہار تشکر

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے تحقیق کے اس سفر میں ہر قدم پر میرا ساتھ دیا۔ میری منازل کو آسان فرمایا اور انجام کار مجھے ایم فل کا مقالہ مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

اس تحقیقی سفر کا آغاز کیا تو جانا کہ یہ ایک دشوار مرحلہ ہے اور اور اسے کامیابی سے عبور کرنا گویا 'آگ کا دریا' کے مترادف ہے۔ بہت سے ایسے مراحل آئے جب میری ہمت و حوصلہ ڈگمگایا۔ لیکن ان لمحات میں میرے والدین اور بہنوں نے میرا بھرپور ساتھ دیا اور یہ حوصلہ دیا کہ میں اپنا تحقیقی کام باخوبی انجام دے سکتی ہوں۔ میرے مقالے کی تکمیل کے ہر لمحے میں میرے والدین کی دعائیں میرے لیے آسانیاں پیدا کرتی رہیں۔

میں اپنی نگرانِ مقالہ ڈاکٹر رخشندہ مراد اور ڈاکٹر صنوبر الطاف کی بے حد ممنون ہوں کہ جنہوں نے اپنے قیمتی وقت میں سے مجھے وقت دیا اور ہر قدم پر میری راہنمائی فرمائی۔ میرے ہر سوال کو سنا اور میرے ذہن کے دریچوں پر جمی گرد کو اپنی راہنمائی سے ہٹایا۔

میں مشکور ہوں اپنے ہمسفر کی جنہوں نے ہر قدم پر میرا ساتھ دیا۔ میرے تحقیقی مقالے سے متعلق تمام کتب فراہم کیں تاکہ میں اپنا کام دلجمی سے کر سکوں۔ میں اپنے تمام احباب کی بھی ممنون ہوں جنہوں نے اس مقالے کی تکمیل میں میری مدد کی۔

رومیصہ سہیل علوی

باب اول

تمہید اور بنیادی مباحث

(الف) تمہید

1۔ موضوع کا تعارف INTRODUCTION

زیرِ تحقیق مقالہ منتخب شاعرات کی نثری نظموں میں نسائی شعور کا تحقیقی مطالعہ پر مبنی ہے۔ اردو ادب کی شعری روایت میں نسائی شعور کی روایت پرانی ہے لیکن تانیثیت کے نئے موضوعات اور رویوں کو ادا جعفری، فہمیدہ ریاض، پروین شاکر، کشور ناہید اور سارہ شگفتہ نے اپنی شاعری کا حصہ بنایا ہے۔ عصر حاضر میں شاعری کی نئی صنف نثری نظم میں بھی طبع آزمائی کی جارہی ہے۔ اس صنف کو شاعرات میں بھی خاصی پذیرائی ملی۔ ان شاعرات نے نثری نظم میں نسائی شعور کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ نثری نظم کی نمائندہ شاعرات میں عذرا عباس، نجمہ منصور، سدرہ سحر عمران، اور عارفہ شہزاد شامل ہیں۔ مندرجہ بالا شاعرات کی نثری نظموں میں اگرچہ موضوعاتی تنوع پایا جاتا ہے۔ تاہم ان کی شاعری میں نسائی کیفیات اور حسیات کا روایتی اور جدید نسائی شعور کا جائزہ لیا جائے گا۔ ان کی شاعری میں تانیثی شعور ایک نئے انداز فکر کے تحت اجاگر ہوا ہے۔ زیر تحقیق مقالے میں تانیثیت اور نسائی شعور کے پیچھے کارفرما عوامل و وجوہات کا مطالعہ کیا جائے گا۔

مندرجہ بالا شاعرات جذبات اور احساسات کو نظم کی زبان میں بیان کرتی ہیں۔ اپنی نظم میں اس عورت کا تذکرہ بھی کرتی ہیں جو اپنے غم، تکالیف کو برداشت کرتی ہے اور اپنے احساسات کو اپنے اندر دفن رکھتی ہے۔

2۔ بیانِ مسئلہ STATEMENT OF PROBLEM

عصر حاضر میں شاعری میں نسائی شعور کے مباحث بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ تانیثیت اور نسائی شعور کے حوالے سے بہت کچھ لکھا جارہا ہے۔ خواتین کے حقوق، مسائل، جدوجہد کو سامنے رکھتے ہوئے ادیب طبقہ بذریعہ قلم معاشرے کی نمائندگی کرتا ہے۔ ان میں بہت سے مصنفین کے ہاں باغیانہ رویہ ملتا ہے ۔ یہ معاشرے کی اقدار اور صدیوں سے چلی آتی روایتوں سے انحراف کرتے ہیں۔ بعض ان روایات سے جڑے

رہنے کے باوجود تانیثیت کے حوالے سے اپنی شناخت چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کے کسی امتیاز کے بغیر انہیں انسانیت کے درجے پر رکھا جائے۔

آج کل ہمارے ہاں نثری نظموں میں کس قسم کے موضوعات کو زیرِ بحث لایا جارہا ہے اور اس قسم کے موضوعات اور خیالات پیش کرنے کے پیچھے کون کون سے عوامل اور وجوہات کار فرما ہیں۔ اس زاویے سے ابھی تک نثری نظموں کا مطالعہ نہیں کیا گیا۔ چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ نثری نظموں میں تانیثیت / نسائی شعور کے فروغ کے حوالے سے جو ادب تخلیق کیا جارہا اس پر تحقیقی کام کرنے کی ضرورت ہے۔ عذرا عباس، نجمہ منصور، سدرہ سحر عمران اور عارفہ شہزاد کی نثری نظموں پر مختلف موضوعات کے تحت کام ہو رہا ہے۔ جبکہ ان کی نظمیں نسائی شعور اور نسائی حسیات و کیفیات کے حوالے سے بھی اہم ہیں۔ تاہم ان کی شاعری کا اس حوالے سے ابھی تک کوئی تحقیقی کام نہیں ہوا۔ چنانچہ ان کے کلام کا تحقیقی حوالے سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے تاکہ دیکھا جاسکے اس قسم کا ادب کیوں ضروری ہے اور تحقیق کے ذریعے ان کی نسائی شعور کی فکری جہت کو منظر عام پر لایا جاسکے۔

۳۔ مقاصد تحقیق RESEARCH OBJECTIVES

مجوزہ تحقیقی مقالے کے مقاصد درج ذیل ہوں گے۔

۱۔ مغربی و مشرقی تناظر میں نسائی شعور اور نسائیت میں فرق کا جائزہ لینا۔

۲۔ منتخب شاعرات کی نثری نظموں میں نسائی کیفیات اور نسائی حسیات کے محرکات کا جائزہ لینا۔

۳۔ منتخب شاعرات کی نظموں میں نسائی شعور کی نوعیتوں کا جائزہ لینا۔

۴۔ تحقیقی سوالات RESEARCH QUESTION

۱۔ نسائی شعور، نسائیت اور تانیثیت میں کیا فرق ہے؟

۲۔ اردو ادب کی نثری نظموں میں تانیثیت اور نسائی شعور کی روایت کیا ہے؟

۳۔ منتخب شاعرات کی نثری نظموں میں تانیثیت اور نسائی شعور کی نوعیت کیا ہے؟

۵۔ نظری دائرہ THEORETICALFRAMEWORK

زیر تحقیق مقالہ منتخب شاعرات کی نثری نظموں میں نسائی شعور کے مطالعے پر مبنی ہے۔ بیسویں صدی میں تانیثی تحریک ایک اہم سماجی تحریک ہے۔ اس تحریک کا آغاز حقوقِ نسواں کی تحریک کے تحت اٹھنے والے مطالبات سے ہوا۔ ۱۸۴۸ میں "کانونشن آف وومن رائٹس" کے نام سے کانفرنس منعقد کی گئی۔ معاشی ، سیاسی اور سماجی لحاظ سے امتیازات کے خاتمے کے لیے کوشش کی گئی۔ "رفیقِ نسواں" اور "تہذیبِ نسواں "جیسے رسالے منظر عام پر آئے۔ فیمنزم کی ابتدا اٹھارویں صدی سے ہوئی لیکن تانیثیت / فیمنزم کی اصطلاح بعد میں سامنے آئی۔ تاہم ادب میں نسائی شعور اور تصورات اس سے پہلے بھی موجود تھے۔ خاص کر نثری نظم میں ان مسائل کو بخوبی اجاگر کیا گیا ہے۔ جو صنف اور موضوعات کے حوالے سے اردو ادب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔ جہاں شعری سرمائے میں اضافہ ہوا ہے وہیں عورتوں نے پہلی بار معاشرے میں اپنے جذبات واحساسات کا اظہار کھل کر کیا ہے۔ نہ صرف نظم بلکہ غزل جیسی مشکل صنف میں بھی اردو شاعرات نے نسائی موضوعات کو وسیلہ اظہار بنایا ہے۔ ان میں پروین شاکر کی کتاب "خوشبو" ایک معتبر حوالہ ہے۔ جس میں نسائی مسائل اور عورت کے جذبات کی عکاسی کی گئی ہے۔

ورجینیا وولف کی کتاب "A room for one's own" مطبوعہ ۱۹۲۹ اور سیمون ڈی بورا کی کتاب ""The second sex ۱۹۴۹ عورتوں میں شعور بیدار کرنے کے حوالے سے اہم کتب ہیں۔ شاعرات میں ادا جعفری، فہمیدہ ریاض، پروین شاکر، کشور ناہید اور سارہ شگفتہ نے بھی نسائی شعور کے موضوع کو لکھا۔ اس مقالے کا فریم ورک مندرجہ بالا قلم نگاروں کے نسائی نظریات کو سامنے رکھتے ہوئے ترتیب دیا جائے گا۔ نمائندہ تصورات درج ذیل ہوں گے۔

۱۔ شعور ذات

۲۔ تشخص کی تلاش

۳۔ وقعت ذات

۴۔ آزادی رائے

۶۔ تحقیقی طریقہ کار RESEARCH METHODOLOGY

اس تحقیقی مقالے کے لیے تاریخی اور دستاویزی طریقہ اختیار کیا جائے گا تاہم ضرورت کے پیش نظر کسی بھی تحقیقی طریقے سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً اس تحقیقی مقالے میں انٹرویو، سوالنامے، اور ناقدین کی آرا وغیرہ کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے۔ اس تحقیقی کام کو نسائیت کے مغربی و مشرقی ادبی نظریات کی روشنی میں ترتیب دیئے گئے لائحہ عمل کے تحت ترتیب دیا جائے گا۔

موضوع کے متعلق معاصر تنقیدی اور تحقیقی کتب کے ساتھ ساتھ مضامین سے بھی مدد لی جائے گی۔ جو کہ انٹرنیٹ، لائبریری اور دیگر معاون ذرائع سے حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

۷۔ مجوّزہ موضوع پر ما قبل تحقیق WORKS ALREADY DONE

منتخب شاعرات کی نثری نظموں کے مجموعوں پر اب تک کام ہو چکا ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ ثوبیہ سعید، عارفہ شہزاد کا مجموعہ "میں عورت ہوں نہ" میں تانیثی رویے، مقالہ ایم اے (اردو)۔

۲۔ رضیہ پروین، "ڈاکٹر عارفہ شہزاد کی علمی و ادبی خدمات" مقالہ ایم فل، سرگودھا یونیورسٹی۔

۳۔ ظفر اقبال روانہ، "سرگودھا میں نثری نظم کی روایت"، مقالہ ایم فل، سرگودھا یونیورسٹی۔

۴۔ فائزہ یعقوب، "نجمہ منصور اور حفیظ تبسم کی کرداری نظموں کا تقابلی جائزہ"، مقالہ ایم فل، سیالکوٹ یونیورسٹی۔

۵۔ قرۃ العین، "نجمہ منصور شخصیت و فن"، مقالہ ایم فل، سرگودھا یونیورسٹی۔

۶۔ کائنات ناصر، "نجمہ منصور کی نظمیں ایک جائزہ"، مقالہ ایم فل، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ۔

۷۔ مرتضیٰ، "عذرا عباس کی شعری جہات" مقالہ ایم فل، اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔

منتخب شاعرات کی نثری نظموں میں نسائی شعور کے حوالے سے کوئی تحقیقی کام ابھی تک نہیں ہوا۔

۸۔ تحدید DELIMITATION

منتخب شاعرات کی شاعری میں اگرچہ موضوعاتی تنوع پایا جاتا ہے لیکن زیرِ تحقیق مقالے میں ان شاعرات کی نثری نظموں میں نسائی شعور کے حوالے سے تحقیق کی جائے گی۔ ۱۹۹۰ سے ۲۰۲۰ تک کی نامور شاعرات کی شاعری میں نسائی کیفیات وحسیات کا روایتی اور جدید مشرقی نسائی تناظرات کے تحت تجزیاتی مطالعہ کیا جائے گا۔ ان شاعرات کی نظموں کے دیگر موضوعات تحقیقی مقالے کا حصہ نہیں ہوں گے۔

۹۔ پس منظری مطالعہ LITERATURE REVIEW

نسوانیت کی تحریک امریکہ میں منعقد کردہ کانفرنس "کانونشن آف وومن رائٹس" سے شروع ہوئی۔ اس کا آغاز اگرچہ اٹھارویں صدی سے ہو چکا تھا لیکن بیسویں صدی میں تانیثی تحریک ایک اہم سماجی تحریک کے طور پر نظر آتی ہے۔ اس تحریک کا آغاز حقوقِ نسواں کی تحریک کے تحت اٹھنے والے مطالبات سے ہوا۔ تانیثیت / فیمنزم کی اصطلاح بعد میں سامنے آئی۔ تاہم ادب میں نسائی شعور اور تصورات اس سے پہلے بھی موجود تھے۔ خاص کر نثری نظم میں ان مسائل کو بخوبی اجاگر کیا گیا ہے۔ جو صنف اور موضوعات کے حوالے سے اردو ادب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔ جہاں شعری سرمائے میں اضافہ ہوا ہے وہیں عورتوں نے پہلی بار معاشرے میں اپنے جذبات واحساسات کا اظہار کھل کر کیا ہے۔ نہ صرف نظم بلکہ غزل جیسی مشکل صنف میں بھی اردو شاعرات نے نسائی موضوعات کو وسیلہ اظہار بنایا ہے۔ ان میں پروین شاکر کی کتاب "خوشبو" ایک معتبر حوالہ ہے۔ جس میں نسائی مسائل اور عورت کے جذبات کی عکاسی کی گئی ہے۔

ورجینیا وولف کی کتاب "A room for one's own" مطبوعہ ۱۹۲۹ اور سیمون ڈی بورا کی کتاب ""The second sex ۱۹۴۹ عورتوں میں شعور بیدار کرنے کے حوالے سے اہم کتب ہیں۔ شاعرات میں ادا جعفری، فہمیدہ ریاض، پروین شاکر، کشور ناہید اور سارہ شگفتہ وغیرہ نے بھی اپنی تحریروں میں نسائی شعور کے موضوع کو لکھا ہے۔ ان شاعرات کے علاوہ زاہدہ زیدی کا نام بھی تانیثی موضوعات لکھنے والی شاعرات میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان کی نظم "سوچ" اور "ایک انہونی سی بات" میں نسائی شعور دیکھا جا سکتا ہے۔ اس تحقیق میں ان کی کاوشوں کو مد نظر رکھا جائے گا۔ نسائیت کا مکمل تعارف حاصل کرنے کے لیے اردو شاعری میں تانیثی آوازوں، ڈاکٹر عصمت جمیل کی کتاب "نسائی شعور کی تاریخ اردو افسانہ اور عورت"، ڈاکٹر عظمی فرمان فاروقی

کی کتاب "اردو ادب میں نسائی تنقید "اور ان موضوعات کے تحت لکھے گئے مقالہ جات اور کتابیات کا مطالعہ بھی کیا جائے گا۔

۱۰۔ تحقیق کی اہمیت SIGNIFICANCE OF SSTUDY

شاعری کی صنف میں نثری نظم کوئی اہمیت حاصل نہیں تھی۔ لیکن اب اسے شاعری کی صنف مانا جاتا ہے اور عصر حاضر میں اسے قبولیت کا درجہ حاصل ہے۔

منتخب شاعرات کی نثری نظموں کے دیگر موضوعات پر تحقیقی کام ہو رہا ہے۔ تاہم ان کی نثری نظموں میں نسائیت کا پہلو غالب نظر آتا ہے۔ ان شاعرات کی شاعری عورت کی حسیات و کیفیات کی بھرپور ترجمانی کرتی دکھائی دیتی ہے۔ انہوں نے اچھوتے انداز میں اس موضوع کو اپنی نظموں میں پیش کیا ہے۔ ان کا منفرد اسلوب اپنی مثال آپ ہے۔ اس تحقیقی مقالے کے ذریعے منتخب شاعرات کی نثری نظموں میں نسائی شعور کے موضوع کو منظر عام پر لایا جائے گا اور ان کے پیچھے کار فرما عوامل کا بھی جائزہ لیا جائے گا۔

(ب) بنیادی مباحث

1۔ موضوع کا تعارف

خداوندِ باری تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات کا درجہ دیا ہے۔ انسان اپنی عقل و طاقت سے ہر میدان میں کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کا انسان ستاروں، سیاروں پر کمندیں ڈال رہا ہے۔ خلاؤں کا سفر کر رہا ہے۔ عورت اور مرد دونوں کو اس میدان میں جدوجہد کا حق حاصل ہے کیوں کہ دونوں عقل و فہم کی دولت اور قوتِ گویائی رکھتے ہیں۔ اس عقل و فہم سے انسان نے اپنی تاریخ کو رقم کرنا شروع کیا۔ اس تاریخ کے مطالعے سے ہمیں گزشتہ ادوار میں مرد غالب نظر آتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ایک جرمن خاتون نے کہا ہے:

> "میری تاریخ کی کتابیں جھوٹ بولتی ہیں وہ کہتی ہیں میرا (فعال) وجود نہیں تھا۔ عورت کا وجود تو یقیناً تھا لیکن یہ وہ تصویر ہے جو مردوں نے پیش کی ہے تاریخ کے اوراق پر جو عورت ابھرتی ہے اس کا کردار مرد کے تابع ہے۔"1

تاریخ کے مطالعے سے عورت کے مقام اور حیثیت کا اندازہ باخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ محققین تاریخ کی تحقیق کے مطابق انسان تقریباً پانچ لاکھ سال سے اس دنیا میں موجود ہے۔

عورت کا پہلا عکس ایک مادرِ معبود کی صورت نظر آتا ہے۔ ابن حنیف لکھتے ہیں۔

"اس مادر عظیم کی تخلیق کب اور کہاں ہوئی اس کے متعلق فی الحال حتمی طور پر تو کچھ نہیں کہا جاسکتا البتہ قدیم عہد حجریہ یعنی چار لاکھ برس قبل سے لے کر پچاس ہزار سال پہلے تک کے طویل دور کے کسی حصے میں انسان کو اس مادر کائنات کا خیال آیا بعد کے زمانوں میں اور گینی اور کرومیکنان نسل کے شکاریوں کے ہاں اس کی پرستش کے واضح آثار مل رہے ہیں اور قدیم ترین انسان اپنی جو باقیات چھوڑ گیا ہے ان میں اس عظیم دیوی کے مٹی کے مجسمے اور غاروں میں بنی ہوئی شکلیں بھی شامل ہیں۔"2

عورت کا تاریخی تصور اس کی جنس مخالف کے برعکس ہے۔ عورت اپنی ذات کو منوانے کے لیے جہد مسلسل سے گزری ہے۔ اس جہد مسلسل کے نقوش پتھر کے مجسموں، چٹانوں، مصوری کے ابتدائی نمونوں اور مذہبی و تہذیبی تصورات کی صورت میں تاریخ کے صفحات پر تحریر ہیں۔ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ پتھر کے دور میں تمام کاموں میں عورت مرد کی مددگار تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ عورت اولاد کو جنم دینے کی اہلیت رکھتی تھی۔ عورت کی اس خوبی سے مرد مرعوب نظر آتا اور وہ اسے عورت کا معجزہ خیال کرتا تھا۔ قدیم غاروں میں حاملہ عورتوں کی تصویریں اس بات کو ظاہر کرتی کہ مرد عورت کی تخلیق کی خوبی سے نہایت متاثر تھا۔ یہ ہی وجہ تھی کہ عورت کو دیوی سمجھ کر اس کی پرستش کی جانے لگی کیونکہ مرد حضرات اسے جادو خیال کرتے تھے۔ اس لیے خوف کے باعث اس کی پرستش کرنے لگے۔

قدیم تہذیبیں جو زراعت کے پیشے سے وابستہ تھیں اس میں عورت ان معاشروں کا فعال رکن تھیں۔ گورڈن چائلڈ رقم طراز ہیں:

"تہذیب کی ابتدا عورتوں نے کی وہ اناج اگاتی تھیں اسے پیستی روٹی پکاتی تھیں۔ دھاگہ بنانے کے فن سے بھی انھیں واقفیت تھی جس سے وہ لباس تیار کرتی تھیں۔ برتن اور زیورات بھی تیار کرتی تھی غرض ہر وہ کام کرتی تھیں جس سے گھریلو خوبصورتی پیدا ہو۔ جبکہ مرد زراعت کیلئے زمین تیار کرتا اور شکار کرتا تھا ہتھیار بناتا تھا۔"3

زرعی معاشرے میں عورت زرخیزی کی علامت تھی کیونکہ وہ بھی زمین کی طرح انسانی آبادی میں اضافے کا سبب تھی۔ عورت کی حقیقت کیا ہے؟ کیا مرد اور عورت برابر ہیں یا عورت کی حیثیت محض مظلوم، کمتر اور غلام کی سی ہے۔

اس کے برعکس مرد حاکم اور ظالم ہے۔ مرد اور عورت کی تفریق سماجی و ثقافتی لحاظ سے کیوں ہے؟ دونوں میں جنسی تفریق ہونے کی وجہ سے مرد کو حاکم اور عورت کو ناقص العقل خیال کیا جاتا ہے۔ تمام مذاہب اور معاشروں میں عورت کا مقام مختلف رہا ہے۔ عورت مختلف تہذیبوں، معاشروں اور روایات میں اپنے تشخص اور بقا کے لیے تگ و دو کرتی رہی ہے اور اس کی یہ تمام کوشش اور اپنی ذات کو منوانے کی سعی آج بھی جاری ہے۔ عورت نے اپنی ذات کے تشخص اور حقوق کے لیے ایک لمبے عرصے تک جہد مسلسل کی ہے۔ عورت کا تاریخی تصور اپنے ہم جنس سے مختلف رہا ہے۔ عورت ہمیشہ افراط و تفریط کا شکار رہی ہے۔ کہیں اسے دیوی سمجھ کر اس کی پوجا کی گئی اور کہیں پر اسے ناقص الاعقل، برائی کی وجہ، گناہ کا استعارہ اور کمتر سمجھ کر حقارت آمیز رویہ برتا گیا۔ تاریخ پر نظر ڈالیں تو ہمیں پتا چلتا ہے کہ تاریخی سطح پر عورت کا پہلا روپ عشتار دیوی کا ہے۔ عشتار دیوی مختلف مذاہب میں مختلف ناموں سے جانی پہچانی جاتی رہی، وہ کسی کے حکم کے تابع نہیں تھی۔

سومیری تہذیب کا شمار دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں میں ہوتا ہے۔ اس میں عورت کے بارے میں منفی خیالات سامنے آتے ہیں۔

"آقا: خادم مجھ سے اتفاق کر"!

خادم: ہمارے میرے آقا! ہاں!

آقا: میں ایک عورت سے محبت کروں گا

خادم: محبت کر میرے آقا، جو شخص کسی عورت سے محبت کرتا ہے، تنگی اور مصیبت بھول جاتا ہے۔

آقا: نہیں خادم نہیں! میں کسی عورت سے محبت نہیں کروں گا۔

خادم: محبت مت کر میرے آقا، محبت مت کر، عورت ایک پھندہ ہے، جال ہے، گڑھا ہے، عورت لوہے کی تیز دھاری تلوار ہے جو نوجوان مرد کی گردن کاٹ ڈالتی ہے"4

بیوی کے بارے میں سومیریوں کا تصور یہ تھا کہ ان کے لیے عورت کا حسین، جاذب نظر، خوش گفتار اور مقدس ہونا اہم خیال کیا جاتا ہے۔ مصر میں تخت کی ملکہ عورت ہوتی یعنی تخت کی وارث ہوتی تھی مگر تخت پر ہمیشہ مرد ہی بیٹھتا تھا۔ مرد کا حکمرانی کرنے کے لیے وارث میں عورت سے شادی کرنا ضروری تھا۔

"مصر میں فراعین کے عہد تک عورت ہی سلطنت کی ملکہ اور عبادت میں مہاپروہیت ہوتی تھی۔ یہ نظام آج بھی بنگلہ دیش اور ہند میں آباد کھاسی قوم میں رائج ہے جہاں ماں نہ صرف خاندان کی سربراہ بلکہ جائیداد اور وراثت کی بھی ملکہ ہے۔"5

مصر میں عورت کا مقام مرد سے اونچا تھا اور مملکت کی حکومت ملکائیں چلاتی تھیں۔ مصری عورتیں حسین ہونے کے ساتھ ساتھ آزاد خیال بھی تھیں۔ وہ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے بالکل نہ شرماتی تھیں اور پیش قدمی کو برا نہ سمجھتی تھیں۔ مصری عورتوں کا خاص مقام اس لیے بھی تھا کیونکہ ماں بیٹی کو جائیداد ورثے میں ملتی تھی۔ اس لحاظ سے مرد کی نسبت عورت کو برتری حاصل تھی۔ ماہرین کے مطابق مصری عورت فحش کردار رکھتی تھیں۔ ہیروڈٹس کے مطابق:

"کوئی شبہ نہیں کہ قدیم مصری خواتین کے کردار کی چند باتیں نمایاں ہیں۔ وہ بہت زندہ دل ،خوش طبع اور عیش و عشرت کی دلدادہ تھیں اور مزاح کے لطف لینے کی صلاحیت سے مالامال تھیں۔ وہاں بہت سی آزاد عورتیں بھی تھیں اور جب ایسی عورتیں کسی مرد سے ریجھ جاتیں تو اسے منت سے سماجت سے اور ناز و ادا سے اپنی خواہشات کی تسکین کے لیے آمادہ کر لیتی تھیں اور یوں اپنی مرضی ذرا نہ چھپاتیں۔"6

اس عہد کی خواتین دو طبقات میں منقسم تھیں۔ ایک طبقہ اعلیٰ حسب نصب کا تھا اور یہ طبقہ معزز گردانا جاتا تھا۔ جبکہ دوسرا طبقہ ان عورتوں کا تھا جو خاندانی وقار کو بلائے تاک رکھ کر جسمانی لذتوں کے فروغ میں مشغول تھا۔ مصری تہذیب کے برعکس یونانی قوم عورت کو مرد کی تباہی و بربادی کا باعث سمجھتے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ عورت کو مرد کی ضرورت بھی سمجھا جاتا تھا۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں کہ

"ان کی نگاہ میں عورت ایک ادنیٰ درجے کی مخلوق تھی، معاشرے کے ہر پہلو میں اس کا مرتبہ گرا ہوا رکھا گیا تھا اور عزت کا مقام مرد کے لیے مخصوص تھا۔"7

ایتھنز میں عورت کی حیثیت ایک ادنیٰ مخلوق کی تھی۔ بیویوں کو گھر میں بند رکھا جاتا تھا۔ انھیں باہر جانے کی اجازت نہ تھی۔ اور نہ ہی ان کی تعلیم و تربیت کو اہم خیال کیا جاتا تھا۔ عورت کی تعلیم کا بندوبست نہ تھا۔ وہ خاوند کی ملکیت تھی۔

خاوند اس کو اپنا جائیدادی اثاثہ سمجھتا تھا۔ عورت کی اپنی ذات کہیں گم ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ صرف مرد کی خواہشات وضروریات کو پوری کرنے کا ذریعہ تھی۔ مشہور یونانی مورخ تاریخ دان پلوٹارک کا نقطہ نظر یہ تھا کہ عورت کو اپنے گھر کی چار دیواری میں محصور رہنا چاہیے۔ عورت کو صرف اتنی اجازت تھی کہ وہ اپنے آپ کو ڈھانپ کر اپنے عزیز و اقارب سے مل سکتی تھی۔ اگر کوئی عورت اپنے حق کے لیے آواز اٹھاتی تو اسے اس کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑتی تھی۔

وہ فارغ تعلیم یافتہ مردوں کی تفریح کا ذریعہ بن جاتیں۔ رومی قوم عورت کو حقیر خیال کرتی کوئی غلطی سرزد ہونے پر اسے کڑی سزا دی جاتی تھی۔

> "رومیوں میں یہ رواج نہ تھا کہ وہ عورتوں کو طلاق دیتے پھریں بلکہ اگر انھیں ان سے کوئی شکایت ہوتی تھی تو وہ ان کو قتل کر دیا کرتے تھے۔"8

مرد عورت حیاتیاتی سطح پر ایک دوسرے سے مختلف ہیں، لیکن اس کا مطلب یہ ہر گز نہیں ہو سکتا کہ مرد برتر اور عورت کمتر یا حقیر ہے۔ تاریخ کا مطالعہ مختلف تہذیبوں میں موجود عورت کی گزشتہ اہمیت کو آشکار کرتا ہے۔ کہیں پر عورت کو دیوی سمجھ کر اس کی پرستش کی گئی اور کہیں پر اس کے ساتھ حقارت آمیز سلوک روا رکھا گیا۔ عیسائیت اور یہودیت کے آتے آتے عورت کا تشخص مسخ ہو کر رہ گیا تھا۔ یہودی عورت کو اس ہدایت کے ساتھ رخصت کیا جاتا کہ اس کی خواہش اس کے شوہر کے لیے ہو گی اور وہ اپنے شوہر کو اپنا آقا سمجھے گی۔

> "توریت میں شوہر سے کہا گیا ہے کہ وہ اپنی بیوی سے ایسے خطاب کرے جیسے کہ آقا غلام سے اور بادشاہ رعایا سے کرتا ہے۔ شوہر کو یہ اختیار تھا کہ وہ جب چاہے بیوی کو طلاق دے دے مگر عورت کو مرد سے علیحدگی کا کوئی حق نہیں تھا۔ اگر عورت سے بے وفائی ہو جائے تو اسے سنگین جرم سمجھا جاتا تھا، اگر زنا ثابت ہو جاتا تو اسے سنگسار کر دیا تھا، اگر بچہ پیدا نہیں ہوتا تھا تو اس کی ساری ذمہ داری عورت پر آتی تھی۔ باپ کو یہ حق تھا کہ وہ اپنی بیٹی فروخت کر دے۔ یہودی مرد کی یہ دعا ہوتی تھی کہ خدا تیرا شکر ہے تو نے مجھے عورت نہیں بنایا۔"9

یہودیت میں عورت کو گناہ کا استعارہ خیال کیا جاتا تھا۔اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ عورت گناہ پر مائل کرنے والی ہستی ہے اس لیے یہودیت میں ایسے فرقے بھی تھے جو عورت سے دوری اختیار کرتے تھے۔ان کے خیال میں عورت جھگڑے اور فساد کا باعث تھی۔یہودی شادی بیاہ کے بعد مخصوص ایام میں علیحدگی اختیار کرتے تھے اور ان دونوں میں عورتوں کو ناپاک سمجھا جاتا تھا۔عورت یہودی مردوں کے لیے صرف افزائشِ نسل کا ذریعہ تھی۔

"یہودی گھرانے میں باپ کی حکمرانی ہوتی تھی۔فرزندان اسرائیل کا ہر گھرانہ متعدد بیویوں،لونڈیوں ان کے بچوں جو پیدائشی طور پر غلام اور کنیز ہوتے تھے پر مشتعمل ہوتا تھا۔گھرانے کا سربراہ جسے باپ یا یوشے کہا جاتا تھا۔خاندان پر مکمل قانونی اور عدالتی اختیار رکھتا تھا۔وہ چاہتا تو بچوں کو زندگی کا حق دے دیتا ورنہ ان کی قربانی بھی دے سکتا تھا۔اگر بیٹے کی موت کے بعد بہو زنا کی مرتکب ہو جاتی تو وہ اسے زندہ جلا سکتا تھا۔اسے اپنی بیٹیوں کو نوبیاہنے یا فروخت کرنے کی مکمل آزادی تھی۔باپ کے بعد یہ اختیار بھائیوں کو منتقل ہو جاتا تھا۔یہودی گھرانے میں پیسے،جائیداد اور غلاموں کی طرح عورت بھی ورثے میں ملنے والی اشیاء کا حصہ ہوتی تھی۔بیٹی کو جائیداد میں سے ایک دھیلا نہ ملتا تھا۔سوائے اس کے کہ کوئی مرد وارث نہ ہو لیکن شادی کے بعد وہ اپنی جائیداد پر تصرف نہ رکھ سکتی تھی جو کچھ ملتا شوہر کو منتقل ہو جاتا۔"10

عورت کو گناہ سرزد ہونے کی وجہ سمجھا گیا۔عیسائیت میں آدم کو ورغلانے اور جنت سے نکالنے کی وجہ عورت کو ہی سمجھا گیا۔مرد کو ایک سے زائد بیویاں رکھنے کا حق حاصل تھا۔لیکن پہلی بیوی سے ہونے والی اولاد کو وراثت میں حصہ دیا جاتا تھا اونچے طبقے کے مرد ان شرائط پر نچلے طبقے کی عورت سے شادی کرتے کہ انھیں وراثت میں کوئی حق حاصل نہ ہو گا۔

یہودیت سے ناپاکی کا تصور کلیسا نے لیا اور عورت کا ناپاک قرار دیا۔عہد نامہ قدیم میں لکھا ہے۔

"مخصوص دنوں میں عورت جس جگہ پر بیٹھے وہ جگہ ہی ناپاک ہوتی ہے"11

حیض کے دنوں میں عورت کو ناپاک خیال کیا جاتا تھا۔عورت کو معاشرے میں برائی پھیلانے کی وجہ سمجھا جاتا تھا۔وہ اپنے وجود اپنی ذات،اپنی جسمانی ساخت پر شرمندہ ہونے لگی۔مردوں کے مطابق معاشرے میں تمام برائیاں عورت کی بدولت پیدا ہوتی ہیں۔کیونکہ وہ اپنی زیب وزینت سے مردوں کو ورغلاتی ہیں۔

سولہویں اور سترویں صدی میں یورپی معاشرے میں عورت نے محنت مزدوری سے روزی کمانا شروع کی۔ صنعتی دور کے آتے عورت نے اپنے رزق کی تلاش میں گھر سے باہر قدم نکالا۔ عورتیں شراب کشید کر کے اور فروخت کر کے بھی روزی کماتی تھیں۔ لیکن حکومت نے شراب کشید کرنے اور فروخت کرنے کو علیحدہ کر لیا تو عورتیں ان ذرائع سے روزی کمانے سے بھی محروم ہو گئیں۔ وہ چرخا کاتتی، مختلف ذرائع سے روزی کماتی تھی چرخا کات کر روزی کمانے والے عورتیں سپنسٹر کہلاتی تھیں۔ یورپی تہذیب میں عورت کی تعظیم کے لیے دو نظریات مریم پرستی اور قرون وسطیٰ رائج تھے۔ قرون وسطیٰ کے نظریے کے مطابق عورت کی عصمت کی حفاظت کرنا شجاعت کی علامت ہے۔

ہندوستانی تہذیب میں ابتدا میں مادرانہ نظام قائم تھا۔ عورت کو قابل احترام اور افضل سمجھا جاتا تھا۔ عورت کو دیوی سمجھ کر اس کی عزت اور پوجا کی جاتی تھی۔ لیکن جب مادرانہ نظام پادرانہ نظام میں داخل ہوا تو وہ دیویاں جو قابل احترام تھیں اور پوجی جاتی تھیں ان کی جگہ دیوتاؤں نے لے لی تھی۔ لیکن کچھ دیویاں جیسے سرسوتی، اوشا اور ارن یانی کی پوجا ان کی خوبصورتی کی وجہ سے کی جاتی تھی۔ اولاد کے لیے مرد اپنی بیوی کی غیر مرد سے جنسی تعلق کو گناہ نہ سمجھتا تھا بلکہ اولاد کے حصول کے لیے وہ غیر مردوں سے تعلق رکھ سکتی تھی۔ کچھ علاقوں میں یہ اقدام فحش قرار دیے جاتے تھے اور انہیں بے حیائی سمجھا جاتا تھا۔

ابتدائی آریائی زمانے میں ان کا پیشہ زراعت تھا اس دور میں عورت مرد کے ساتھ کاشتکاری کرتی کا فریضہ سرانجام دیتی تھی۔ یعنی عورتیں مردوں کے ساتھ زراعت کے کاموں میں ہاتھ بٹاتی تھیں۔ اس دور میں مرد کے ساتھ کام میں مصروف عمل ہونا اور بچے پیدا کرنا اچھی عورت کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ ایسی عورت جو تندرست و توانا ہو اسے شوہر کے مرنے پر ساتھ جلایا نہیں جاتا تھا۔ بلکہ وہ اپنے بھائیوں کے سپرد کر دی جاتی تھی۔ تاکہ زرعی پیداوار میں نقصان نہ ہو سکے۔

کشتریوں یا امیر طبقوں میں شہزادیاں اپنا بر خود منتخب کرتی تھیں۔ ان طبقات میں سوئمبر کا رواج عام تھا۔ مہابھارت کے دور میں عورت ایک سے زائد شوہر رکھ سکتی تھی۔ لیکن رامائن کے زمانے تک آتے آتے عورت کا صرف شوہر کے تابع رہنا اس کا پاک ہونا خیال کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ لنکا کے راجہ راون کے سیتا کو اٹھانے پر سیتا کو اپنی پاکیزگی ثابت کرنے کے لیے آگ سے گزرنے کا کڑا امتحان دینا پڑا۔ عورت کے لیے تمام تکالیف اور اذیتوں سے نجات کا راستہ صرف اور صرف موت کے ذریعے ہی ممکن تھا۔ زندگی کے تحفے کی

صورت میں اسے بہت سے امتحانوں سے دوچار ہونا پڑتا اور اپنی پاکیزگی ثابت کرنے کے لیے آگ تک سے گزرنا پڑتا تھا۔

ہندستانی معاشروں میں ستی کی رسم کا رواج عام تھا۔ عورت کا جینا، مرنا، خوشی، غمی صرف اور صرف اس کے خاوند کے ساتھ تھی۔ اس کے مرتے مرتے عورت کی تمام خوشیاں بھی مر جاتی تھیں۔ اسے خوش رہنے حتیٰ کے زندہ رہنے کا بھی حق حاصل نہ تھا۔ بلکہ شوہر کے ساتھ جل جانے والی عورت پاک باز خیال کی جاتی تھی۔ ستی کے معنی "پاک" کے ہیں۔ اور اس کی چار اقسام ہیں۔ آئین اکبری میں ستی کی اقسام اس طرح ہیں۔

> "پہلی وہ کہ جو شوہر کی موت کے غم میں بے ہوش ہو جاتی ہے اور اس کے رشتے دار اسے آگ میں جلا دیتے ہیں۔ دوسری وہ عورتیں جو شوہر سے بے انتہا محبت کرتی ہیں اور خوشی خوشی جلنے پر تیار ہو جاتی ہیں۔ تیسری قسم ہے جس میں رسم ورواج کے دباؤ میں جل جاتی ہیں اور کوئی مزاحمت نہیں کرتی ہیں۔ چوتھی صورت میں خاوند کے خاندان والے زبردستی جلا دیتے ہیں"12

وہ عورتیں جو شوہر کے ساتھ باخوشی جلنے کے لیے تیار ہوتی انہیں پاک باز مانا جاتا تھا۔ ابتدائی دور میں شوہر کے مر جانے پر عورت کے سر کے بال منڈوا دیے جاتے تھے اور اسے سر سے پیر تک سفید موٹے کپڑے میں ڈھانپ دیا جاتا تھا۔ اس کپڑے میں صرف آنکھوں کے قریب سوراخ ہوتے تھے۔ جس سے وہ عورت دیکھ سکتی تھی۔ شوہر کے مر جانے کے بعد وہ کوئی اور رنگ زیب تن نہیں کر سکتی تھی۔

> "رگ وید میں عورت کی تعظیم کی گئی ہے۔ جب کہ منوشاستر میں تذلیل کی گئی ہے۔ عورتوں کے لیے سخت رویے کی جنسی تاکید ہندو کتب میں ہے۔ اتنی دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ہے۔ اس تہذیب میں عورتوں کی عمر، احساسات اور نفسیات کے حقوق کو مردوں کی مرضی اور خواہشات پر قربان کر دیا جاتا تھا۔"13

ہندوستان میں لڑکی کو پیدا ہوتے ہی مار دینے کی رسم بھی موجود تھی۔ اس معاشرے کے لیے لڑکی کی پیدائش تذلیل کا باعث تھی۔ مسلمان حکمرانوں نے جب اقتدار سنبھالا تو ان کی کوششوں کے باوجود ستی رسم ختم نہ ہو سکی۔ اصلاح مذہب کی تحریک کے نتیجے میں ستی رسم پر پابندی عائد ہوئی۔ اگرچہ ہندوستانی عورت اب

تک پرانے رسم ورواج کی قید سے آزاد ہو چکی ہے لیکن اسے مردوں کے برابر حقوق میسر نہیں ہیں۔اس کے لیے مسلسل کوشش کی ضرورت ہے۔

سولہویں سترہویں صدی میں انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے "ہیومینزم" جیسی تحریکیں سامنے آئیں۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عورت نے اپنی ذات کو منوانے کی سعی جاری رکھی اور اس طرح سماج میں اس کے مقام میں تبدیلیاں رونما ہونے لگیں۔

ان تمام کوششوں سے بہت پہلے ساتویں صدی میں جو حقوق اسلام نے عورت کو دیے انہیں یورپین تہذیبوں نے ایک ہزار سال بعد تسلیم کیا اور بیوہ عورتوں کو دوبارہ شادی کا حق دیا۔یہ انقلابی تبدیلیاں تھیں کیونکہ اس سے پہلے کسی معاشرے اور مذہب میں عورت کو یہ حقوق حاصل نہ تھے وہ صرف گناہ اور فساد پھیلانے کی وجہ سمجھی جاتی تھی۔

عیسائیت میں عورت کو کینہ پرور خیال کیا جاتا تھا اور گناہ کی طرف راغب کرنے کی وجہ سمجھا جاتا تھا۔یہی وجہ تھی کہ چرچ کے پادریوں کو عورت سے تعلق رکھنے سے منع کیا گیا تاکہ وہ گناہ کی طرف مائل نہ ہوں۔مرد کو برتر اور عورت کو کمتر خیال کیا جاتا تھا۔عورت کی فطرت کو زہریلے سانپ کی مانند قرار دیا گیا۔

S.T Gregory کے مطابق

> "وہ زہریلے سانپ اور سینگوں والے شیطان کی مانند ہے۔۔۔عورت کے جذبات اسے ہمیشہ برائی کی جانب لے جاتے ہیں، جبکہ عقل مرد کو اچھائی کی طرف۔"14

عہد وسطیٰ کی کتاب میں عورتوں کے بارے میں لکھا گیا کہ Hammer of witchesy

> "جب ہم تاریخ کو دیکھتے ہیں تو اس حقیقت کو پاتے ہیں کہ تقریباً دنیا کی تمام سلطنتیں عورتوں کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئی ہیں اوران میں سب سے پہلی خوش حال سلطنت ٹروئے کی تھی۔"15

عورت کو شر پھیلانے اور گمراہ کرنے کا سبب سمجھا گیا۔ آدم کو جنت دے نکالنے کا ذمہ دار بھی عورت کو ہی ٹھہرایا گیا اور کہا گیا کہ عورت شیطان کے بہکاوے میں آکر مرد کو بہکاتی ہے۔اسلام نے عورت اور مرد کو برابر حقوق دیے۔

میاں کو حاکم اور بیوی کو لونڈی کی بجائے ایک دوسرے کا لباس قرار دیا گیا۔ وراثت میں بھی عورت کو حصہ دیا گیا۔ زنا کرنے پر سو کوڑوں کی سزا بھی مرد اور عورت کے لیے یکساں ہے۔ عورت کو اپنی پسند کی شادی کا حق بھی دیا گیا، لیکن اسلام نے اسے عزت و مرتبے سے نوازا۔ مختلف مذاہب میں عورت کو مختلف زاویہء نگاہ سے دیکھا جاتا رہا ہے۔ لیکن ان میں عورت کی ذات کی نفی مشترک تھی۔

"مشرق میں عورت مرد کے دامن تقدس پر داغ ہے۔ رومن اسے صرف ایک جنسی سمجھتا ہے۔ یونانی فلسفے نے عورت کو شیطان کہا۔ توریت نے اسے لعنت ابدی کا مستحق قرار دیا۔ کلیسا نے اسے برائی کا سرچشمہ قرار دیا۔"16

شوہر کے جبر کرنے پر بھی عورت بھی عورت آواز نہ اٹھا سکتی تھی۔ اس کے شوہر کے ساتھ خوردونوش پر پابندی عائد تھی۔ باحالت مجبوری باہر نکلنے پر پردے کا باقاعدہ انتظام کیا جاتا تھا۔ مشرق میں عورت گھر میں محصور تھی اور اس کی ہر خوشی اس کے شوہر سے جڑی ہوئی تھی۔ تمام ممالک سے ہالینڈ کی حالت بالکل مختلف تھی۔ یہ لوگ صفائی ستھرائی، اعلیٰ تعلیم اور موسیقیت میں حد درجہ دلچسپی لیتے تھے۔

تاریخ کا مذہبی و تہذیبی مطالعے سے یہ نتائج برآمد ہوتے ہیں کہ ہر دور میں عورت پر مظالم کے پہاڑ ٹوٹتے رہے ہیں اور اس نے بے جا حاکمیت کا رعب سہا ہے۔ مرد نے عورت کو محکوم بنائے رکھا جس سے اس کی فطری صلاحیتوں پر بھی فرق پڑا۔ ان سب کے خلاف عورت نے آواز بلند کی اور اس عملی قدم نے ایک تحریک کی شکل اختیار کی۔

نسائیت / فیمنزم:

نسائیت کا لفظ نسا سے نکلا ہے نسا عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی عورت کے ہیں۔ عورت کیا ہے؟ کیا وہ اپنا ایک الگ وجود رکھتی ہے؟ کیا اس کا وجود شرمندگی کا باعث ہے؟ ڈور تھی پارکر کہتی ہیں۔

"میں ان کتابوں سے انصاف نہیں کر سکتی جو عورت کو بطور عورت خوفزدہ کرتی ہیں"17

نسائیت سے مراد عورتوں کے ساتھ ہونے والے ناروا سلوک اور رویوں کے خلاف آواز اٹھانا ہے۔ کیونکہ عورت ایک مکمل انسان ہے، اپنا الگ مکمل وجود رکھتی ہے۔ اس کی اپنی ایک حیثیت ہے جسے تسلیم کرنا چاہیے عورت نے جب اپنے حق کے لیے آواز اٹھانا شروع کیا تو دنیا بھر میں عورت کی آزادی اور تعلیم کے

لیے تحریکوں نے جنم لیا۔ عورتوں نے اپنے پر ہونے والے مظالم کے خلاف نعرہ لگایا اور اپنے حق کے لیے ڈٹ گئیں۔ عورتوں نے اپنے حقوق کے لیے اپنی آواز اس قدر بلند کی کہ مردوں کے لیے انہیں روکنا ممکن نہ رہا۔ ارسطو نے عورت نے متعلق کہا کہ

"عورت خصوصیات کے مخصوص فقدان کی حقیقت کے پیش نظر ہی عورت ہے، ہمیں چاہیے کہ نسوانی فطرت کو ایک ناقص پن متاثر سمجھیں۔"18

مغربی لکھاری سیمون دی بووا نے عورتوں سے متعلق اپنی کتاب دی سیکنڈ سیکس میں بحث کی ہے۔ جو تانیثی حوالے سے ایک اہم کتاب سمجھی جاتی ہے۔ سیمون لکھتی ہیں کہ:

"سب اس حقیقت کی تفہیم پر متفق ہیں کہ نوع انسانی میں مادائیں موجود ہیں، ہمیشہ کی طرح آج بھی انسانیت کا نصف حصہ ان پر مشتمل ہے۔ پھر بھی ہمیں کہا جاتا ہے کہ نسوانیت خطرے میں ہے، ہمیں عورتیں ہونے، عورتیں ہی رہنے اور عورتیں بننے کی نصیحتیں کی جاتی ہیں۔ تب یہ لگتا ہے کہ ہر مونث انسان لازماً عورت نہیں، عورت ہونے کے لیے اسے نسوانیت نامی ایک پراسرار اور ڈراؤنی حقیقت میں شریک ہونا ضروری ہے۔"19

تحریک نسواں یا نسائی تحریک میں عورتوں کی سماجی حیثیت و اہمیت، آزادی رائے، مساوی حقوق پر بحث کی گئی کہ عورتوں کے تمام حقوق مردوں کے برابر ہیں۔ وہ کسی لحاظ سے مردوں سے کمتر نہیں ہیں۔

لڑکیوں کی تعلیم کے لیے درسگاہیں قائم کی گئیں۔ اس کی تعلیم تربیت کی جانب توجہ مبذول کی گئی۔ ان سب مباحث نے ایک تحریک کو ابھارا جو نسائیت / تانیثیت کہلائی۔ تانیثیت کی تحریک کا آغاز مغرب سے ہوا۔ انگریزی میں اس کے لیے فیمنزم کا لفظ مستعمل ہے۔ تانیثیت ایک فکری تصور ہے۔ فیمنزم اور ہم میں اس کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے۔

"خواتین پر ظلم و زیادتی کے خلاف آواز اٹھانا یا ان کے حقوق کی بات کرنا فیمنزم ہے۔"20

فیمنزم کے کئی نظریات سامنے آتے ہیں اس کا مقصد عورتوں کے دلوں میں مردوں کے خلاف نفرت کے جذبات پروان چڑھانا نہیں بلکہ عورتوں کے حقوق کے لیے آواز اٹھانا ہے۔ لیکن اس کے باجود اسے منفی تناظر میں دیکھا جاتا ہے۔ فہمیدہ ریاض کہتی ہیں:

"فیمنزم ایک ایسی اصطلاح ہے جس کا مطلب لوگ اپنی اپنی طرح سمجھتے رہتے ہیں۔ مگر میں نے جب بھی اسے استعمال کیا ہے، یا کہا ہے کہ میں "فیمنسٹ "ہوں تو ہر بار میرے ذہن میں اس کا یہی مطلب رہا ہے کہ عورت کے مکمل انسانی وجود کو تسلیم کیا جائے اور اس کے کسی بھی پہلو کو کچل کر نابود کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔"21

تانیثیت کی تعریف اس طرح بھی کی جاتی ہے کہ

"فیمنزم ایک نظریاتی وابستگی بھی ہے اور ایک سیاسی تحریک بھی جو عورتوں کے لیے انصاف کے حصول اور معاشرے سے جنسی / صنفی امتیازات کے خاتمے کے لئے کوشاں ہے۔"22

عورت اور مرد دونوں انسان ہیں۔ اس لیے ان کو برابری کی سطح پر رکھنا چاہیے۔ عورتوں اور مردوں کو برابر حقوق فراہم کیے جانے چاہیے اس نقطہ نظر کو مرد حضرات بھی اہم خیال کرتے ہیں، جو مرد اس نظریے کے حامی ہیں اور انہیں بھی فیمنسٹ کہا جاتا ہے۔ اس بات کے پرچار کے لیے تانیثی جہتیں سامنے آئیں۔ روڈاریڈوک نے کہا کہ:

"تانیثیت کے معنی عورتوں کا گھر کے اندر، کام کرنے کی جگہوں اور سماج میں ہو رہے جبر و استحصال کے خلاف مہم کی تبلیغ کرنا اور عورتوں و مردوں کی اجتماعی کاوشوں کے ذریعے موجودہ حالات کے خلاف ضروری اقدامات کرنا ہے۔"

To men an awearness of women's oppression and Exploitation within the family, at work and in society and conscious action by women and men to change this situation."23

روڈاریڈوک کی تانیثی تعریف تانیثیت کے باقی نظریات سے اس طرح اسے مختلف تھی کیونکہ اس میں صرف عورتوں کے اپنے حق کے لیے بولنے پر بات نہیں کی گئی۔ بلکہ ان کے استحصال کو روکنے اور مساوی حقوق دینے کے لیے مردوں کی اجتماعی کاوشوں کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔

بنکاک میں میں ایک سیمنار منعقد کیا گیا۔ جس کے دو بڑے اور اہم مقاصد تھے۔ پہلا مقصد یہ تھا کہ عورت کو صرف جبر و ستم سے آزاد کیا جائے بلکہ اس کی عزت و تکریم بھی کی جائے۔ اس کا اپنا ایک وجود ہے، اپنی خواہشات ہیں۔ وہ اپنی زندگی اپنے مطابق گزارنے کا مکمل حق رکھتی ہے۔

"اول یہ کہ صرف برابری ہی استحصال سے آزادی نہیں ہے۔ بلکہ گھر اور گھر سے باہر کی زندگی میں خود مختاری اور اپنی زندگی گزارنے کے حق کی آزادی بھی نہایت ضروری ہے۔ ہر عورت کے اپنے جسم اور اپنی زندگی کو اپنی مرضی کے مطابق گزارنے کا حق حاصل کرنا خود مختاری اور وقار کے احساس کو پیدا کرنے ور اس کے تعین کے لیے ضروری ہے"24

اس سیمنار کا دوسرا اہم مقصد بین الاقوامی سطح پر ایسی مہم چلانا ہے جس کے باعث عورتوں کو انصاف کے تقاضوں پر سماجی و انفرادی حقوق ملیں۔ عالمی سطح پر ان کے استحصال کو روکنے کے لیے اقدامات کیے جائیں۔ جس سے عورت کے وقار کو روندا نہ جائے اور اسے کسی تذلیل آمیز رویوں کا سامنا نہ کرنا پڑے، تاکہ وہ اپنی خودداریت سے محروم نہ ہوں۔

"دوسرا مقصد قومی اور بین الاقوامی سطح پر خواتین کے خلاف ہر قسم کی نابرابری اور استحصال کو ختم کرنے کی مہم چلائی جائے اور اس کے ذریعے سماجی و اقتصادی نظام کو مزید انصاف پسند بنایا جائے۔"25

اٹھارویں صدی میں مغربی یورپ میں عورتوں کے تعلیمی حقوق کے لیے ہولڈ برگ اور کینڈورسٹ اور ہال بیک نے مطالبہ کیا۔1778 میں امریکی پارلیمنٹ میں اس مسئلے کو ابھارا گیا کہ عورت کو ووٹ کا حق ملنا چاہیے۔1830 میں فرانس میں سینٹ سائمونین اور جارج سینڈ نے تحریک آزادی نسواں میں حصہ لیا۔وول Thoughts on the education of daughters" اسٹون کرافٹ نے 1787 میں حقوق نسواں کے لیے سامنے "A vindication of the rights of women" کے نام سے لکھا۔1796 میں وول اسٹون کی کتاب آئی جسے تحریک نسواں کی پہلی تخلیق سمجھا جاتا ہے۔

عورت کے سیاسی میدان میں بھی حق کی بات کی گئی۔1847 میں نیویارک میں "کانونشن آف وومن رائٹس" منعقد کیا گیا۔ اس میں تین سو مردوں اور عورتوں نے شرکت کی۔ عورتوں نے یہاں کھل کر اپنے مسائل اور حقوق کی بات کی۔ عورتوں کی تعلیم کے لیے تحریک نسواں جیسی تحریکوں کے ذریعے خاطر خواہ اقدامات کیے گئے۔ رفتہ رفتہ عورتوں سے متعلق یہ تحریکیں عوامی تحریک میں بدل گئیں، اور اس کے نتیجے میں 1849 میں بیڈفورڈ میں خواتین کے لیے ایک کالج کا قیام عمل میں آیا۔ نذر حسین قمر رقمطراز ہیں کہ

"جنیوا میں 1849 میں ایلزبتھ بلیک ویل نامی خاتون نے ڈاکٹری میں ڈگری حاصل کر لی۔1854 میں چلٹن ہام لیڈیز کالج قائم ہوا اور 1865 میں ایک اور خاتون کا نام ایلزبتھ گرٹ تھا"26

آکسفورڈ اور کیمرج میں 1870 میں عورتوں کی تعلیم کے لیے درسگاہیں قائم کی گئیں۔1918 میں ایک قانون پاس ہوا جس کے تحت عورت کو ووٹ دینے کا حق حاصل ہوا۔

سماج میں عورت کے حقوق کے لیے جو کاوشیں کی گئی اس میں مغرب میں رونما ہونے والی تحریک کی تین امواج نظر آتی ہیں۔1900 صدی عیسوی کے نصف تک پہلی موج کا عرصہ تصور کیا جاتا ہے۔اس عرصے میں عورتوں کی تعلیم و تربیت، ملازمت، سیاست، جائیداد کے حقوق کے لیے جدوجہد کی گئی۔دوسری موج کا عرصہ 1996 سے 1998 تک کا ہے۔اس میں عورتوں کے نجی مسائل کو زیر بحث لایا گیا اور عورتوں کے گھریلو مسائل کو سیاسی The personal" مسائل سے جوڑا گیا۔ کیرل ہانش کے عورتوں کے نجی معاملات کو سیاسی مسائل سے جوڑنے پر کے نعرہ زبان زد عام ہوئے۔ تیسری موج کا عرصہ 1999 سے آج تک کا عہد ہے۔اس" Is political دوران " آزادی نسواں "کا تصور سامنے آیا اور اس کے تحت عورتوں کو ان کے جائز حقوق فراہم کیے گیے۔

تیسری موج کا عرصہ 1999 سے آج تک کا عہد ہے۔اس عہد میں ہر طبقے کی عورت، ہر نسل، کلاس اور مذہب سے تعلق رکھنے والی عورتوں کے مسائل کو انفرادی طور پر دیکھا یا گیا۔ تانیثیت کا بنیادی مقصد ہی عورت کے اپنی ذات کا شعور اور اس کی شخصیت کو منوانا ہے۔

"فیمنزم دنیا کے مختلف ممالک میں ان کے معاشرے مزاج اور ضروریات کے مطابق شکل اختیار کرتا ہے۔ جس میں خود عورتوں کی اپنی تعلیم، شعور، کلاس اور ماحول کا دخل ہوتا ہے۔ عورتیں اپنی جدوجہد کے دوران، پدری نظام کو سمجھنے، اس سے نجات حاصل کرنے اور ایک غیر استحصالی معاشرہ قائم کرنے کے مراحل سے گزرتی ہیں۔"27

مغربی معاشرے میں عورت باحالت مجبوری تلاش معاش کے لیے گھر سے باہر قدم نکالتی تھی۔اس پہ انھیں بہت سی دشواریوں اور مسائل کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ہر قدم پر اس کی حوصلہ شکنی کی جاتی تھی۔ تاکہ وہ

ترقی کی راہ پر گامزن اپنے قدموں کو پیچھے موڑ لے۔ عورت میں بیداری کے لیے ورجینا وولف اور سیمون دی بووا نے اپنی تحریروں کے میں بیان کیا ہے۔

"The second sex" اور "A room of one's own" میں نسائیت کے اہم مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اگر عورت مرد کے بغیر نامکمل ہے تو مرد بھی عورت کے بغیر نامکمل ہے۔

لبرل فیمنزم افراد کے مطابق تانیثی نظریہ وسیع نظر اور روشن خیالی کے ذریعے ہی کامیابی کی منازل طے کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس تحریک کا مقصد عدم مساوات کی تقسیم کو ختم کر کے مردوں اور عورتوں کو برابری کی سطح پر لانا ہے اور کسی معاشرے میں رہتے ہوئے ضروریات کے مطابق ہی تبدیلیاں ضروری ہوتی ہیں۔ انقلابی تبدیلیوں یا اقدامات کا کرنا اہم نہیں ہوتا۔ ان کے برعکس انا کسٹ فیمنسٹ عملی بغاوت کو ترجیح دیتے ہیں کہ باغیانہ رویہ ہی پدری معاشرے میں عورت کو اس کا مقام و مرتبہ دلانے میں کردار ادا کرتا ہے۔ ریڈیکل فیمنزم کے حامی فیمنسٹ معاشرے میں ہونے والے عدم مساوات کا ذمہ دار پدری نظام کو ٹھہراتے ہیں۔ ریڈیکل فیمنزم کو تہذیبی فیمنزم یا کلچرل فیمنزم بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ تذکیر و تانیث کے فرق کو بالائے طاق رکھ کر معاشرے میں بنیادی تبدیلیوں کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور ان تبدیلیوں کا ہونا اہم خیال کرتے ہیں۔

فیمنزم کی ایک اہم شاخ مشرقی فیمنزم ہے۔ مشرق کے آبادیاتی نظام میں مغرب کی طرف سے مسلط کی جانے والی نفرت انگیز پالیسیاں مشرقی عورتوں کی بدحالی کا سبب بنی ہیں۔ مغرب اپنا تسلط پوری دنیا پر قائم کرنا چاہتا ہے۔ مغرب کا پرچار کرنے والوں کے مطابق عورت مغربی طرز معاشرت کی پیروی ہی کی بدولت آزاد ہو سکتی ہے۔ مشرقی فیمنسٹ کے مطابق مشرق اور مغرب کی عورتوں کے مسائل ایک دوسرے سے مختلف ہیں کیونکہ ان کا طرز معاشرت، تہذیب، ماحول ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ مشرقی فیمنسٹ عورتوں پر جبر و ستم، معاشرتی ناانصافیوں اور عدم مساوات کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں۔ کیونکہ وہ عورتوں کو منصفانہ اصولوں ضوابط دینے کے حق میں ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ مشرق پر مغربی تسلط یا حاکمیت کے خلاف بھی ہیں۔

> "مشرقی فیمنزم، فیمنزم کی وہ شاخ ہے جس نے مشرقی ممالک خصوصاً ان خطوں میں جو مغربی ممالک کے تسلط میں رہے، پرورش پائی۔ مشرقی فیمنسٹوں کا کہنا ہے کہ مشرقی ملکوں میں مغرب کا تسلط، ان کی لسانی نسلی اور طبقاتی منافرتوں پر مبنی پالیسیاں ان خطوں میں عورت

کی بدحالی کی ذمہ دار بنی ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ مغرب آج بھی اپنا معیار اور نظام فکر مشرقی ممالک بالخصوص تیسری دنیا کے ملکوں پر تھوپنا چاہتا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ ضروری نہیں کہ عورت مغربی تہذیب اپنانے کے بعد ہی روشن خیال، تعلیم یافتہ اور آزاد تصور کی جائے،اس کے برعکس ایک عورت اپنی تہذیبی اقدار کے اندر رہتے ہوئے بھی محکومی سے نجات حاصل کر سکتی ہے۔"28

تانیثیت نے جہاں ہر شعبہ زندگی میں اہم کردار ادا کیا وہاں یہ تحریک ادب میں بھی خاص اہمیت کی حامل ہے۔مرد و خواتین نے عورتوں کے مسائل پر قلم اٹھایا۔تہذیب نسواں، تعلیم نسواں اور رفیق نسواں جیسے رسائل و جرائد کی اشاعت نے عورت کی بیداری میں مرکزی کردار نبھایا۔وہ قلم کار جنہوں نے سماج میں عورت کی تعلیم و تربیت کی جانب توجہ مبذول کروائی ان میں قابل احترام نام ڈپٹی نذیر احمد کا ہے۔یہ وہ شخصیت ہیں جنہوں نے اپنے ناولوں "مراۃ العروس"،اور بنات النعش" میں عورتوں کو درپیش مسائل کو قلمبند کیا ہے۔سید منیر نے اپنی کتاب "لڑکیوں کی تعلیم "میں ایسے سماج کی منظر کشی کی جس میں رہتے ہوئے عورت کے لیے تعلیم حاصل کرنا از حد مشکل ہے عورتوں کو درپیش گھریلو مسائل اور ضروریات کو محمد ظہیر الدین نے "فوائد النسا" میں بیان کیا اور عورتوں کو اپنے ہنر کے ذریعے اپنی اہمیت اور کسی صنفی امتیاز کے بنا مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے کی ترغیب دی گئی۔بیوہ خواتین کو سماج میں زندہ لاش جیسا درجہ دیا جاتا تھا۔وہ اپنی پسند کے مطابق زندگی نہ گزار سکتی تھیں۔اگر وہ ایسا کرنے کی جرأت کرتی تو انھیں بے شرم اور بد چلن خیال کیا جاتا تھا۔شاہ عبدالرحیم نے اس مسئلے کو "رانڈوں کی شادی" میں اجاگر کیا ہے۔ادیب، مفکر اور شعرا سماج میں ذہنی رو کو بدلنے میں بنیادی رول نبھاتے ہیں۔یہ ہی وجہ ہے کہ عورتوں کے استحصال کو روکنے اور صنفی امتیازات کو بالائے طاق رکھ کر عورت کو جائز آزادانہ حقوق کی فراہمی میں ان کی لکھی گئی تحریروں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔جہاں بہت سے مرد حضرات عورت کی آزادی اور ترقی کو اہم گردانتے ہیں تو دوسری طرف ان کی آزادی اور تعلیم کے مخالفین بھی ہیں۔

جنہوں نے عورت کی اس آزادانہ قدم کے خلاف قلم اٹھایا۔اکبر الہٰ آبادی کی شاعری اس کی واضح مثال ہے۔۔بے پردہ کل جو نظر آئیں چند بیبیاں۔۔۔۔اکبر زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا۔۔۔پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا۔۔۔کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا۔جہاں حقوق نسواں کی مخالفت ہوئی وہی کچھ ادباء اور شعرا نے عورتوں کے صنفی امتیازات کو فراموش کر کے اسے ایک زندہ وجود سمجھا جسے معاشرے

میں رہتے ہوئے زندگی گزارنے کے لیے اپنے حقوق کی ضرورت ہے۔اس لیے استحصالی معاشرے میں ایسی بلند آوازوں کی ضرورت ہے جو عورت پر ہونے والی ظلم و زیادتی کو روک سکے۔ عورت کو انسان سمجھا جائے۔ڈاکٹر سلیم اختر کہتے ہیں۔

"عورت نہ مافوق الفطرت ہے،نہ اساطیری شخصیت،نہ ہی پہیلی اور نہ چیستاں۔وہ گوشت پوست کا پیکر ہے،وہ بھی اعصاب اور غدودوں کی کارکردگی کے تحت عمل اور رد عمل کا اظہار رکھتی ہے۔یہی نہیں مرد کی طرح وہ بھی معاشرے کی فرد ہے۔"29

حالی نے اپنے خیالات کا اظہار نظم و نثر کی صورت میں کیا۔ان کے مطابق معاشرے کی اصلاح عورتوں کی تعلیم وتربیت کے بدولت ہی ممکن ہو سکتی ہے۔اسی موضوع پر حالی نے "ہماری معاشرت کی اصلاح کیسے ہو سکتی ہے" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا۔ہندوستان میں جب بھی بیواؤں کی تعداد میں اضافہ ہوا تو مولانا الطاف حسین حالی نے "بیوہ کی مناجات" ایک نظم لکھی۔اس میں بیواؤں کی محرومیوں کا تذکرہ بھی کیا۔

"دولھانے جانانہ دلہن کو دلہن نے پہچانانہ سجن کو دل نہ طبعیت شوق نہ چاہت مفت لگائی بیاہ کی تہمت شرط سے پہلے بازی ہاری بیاہ ہوا اور رہی کنواری سیلانی جب باغ میں آئے پھول ابھی کھلنے نہ پائے پھول کھلے جس وقت چمن میں جاسوئے سیلانی بن میں ہوش سے پہلے ہوئی میں بیوہ کب پہنچے گا یارہ کھیوا"30

کچھ ادباء،شعرا اور مذہبی سکالروں نے عورتوں کی آزادی کی مخالفت بھی کی۔ان میں مولانا اشرف علی تھانوی کا نام سر فہرست ہے۔انہوں نے "بہشتی زیور" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی۔یہ کتاب لڑکیوں کو شادی بیاہ کے موقعوں پر رخصتی کے وقت دی جاتی تھی۔اس کتاب میں اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ عورت ہر حال میں مرد کے تابع رہے۔اسے اپنا گھر بسانے کے لیے مرد کی اطاعت کرنا ضروری ہے۔یہی وجہ ہے کہ مولانا اشرف علی تھانوی عورت کی آزادی کے مخالف تھے۔مولانا مودودی مولانا اشرف کے برعکس عورتوں میں شعور اور ان کی دنیاوی و دینی تعلیم کے حق میں تھے۔

کتب کے علاوہ رسائل و جرائد،اخبارات میں شائع ہونے والے کالموں کا بھی عمل دخل ہے۔مولوی سید احمد دہلوی نے "اخبار النسا" رسالے کا اجرا کیا۔مولوی ممتاز علی اور ان کی زوجہ محمدی بیگم نے "تہذیب نسواں" جیسے رسائل کا اجرا کیا۔ان رسائل کی بھرپور مخالفت بھی کی گئی لیکن اس کے باجود ان رسائل میں

عورتوں کے حقوق کی بحالی میں حصہ لیا۔اس تحریک کو مضبوط بنانے میں عبد اللہ اور بیگم عبد اللہ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ نذر سجاد حیدر بھی تحریک آزادی میں شامل تھیں۔

"ایک طرف شیخ عبد اللہ اور ان کی اہلیہ کے خلوص و ایثار بھرے یہ کارنامے تھے۔دوسری طرف نذیر احمد، شرر وغیرہ کے ناولوں کی مقبولیت، دونوں نے مل کر ایک فضا بنائی اور دیکھتے دیکھتے تحریک کی حمایت کرنے والوں اور خواتین قلم کاروں کی ایک بھیڑ امڈ آئی۔ جس نے اپنی کاوشوں، فن پاروں کے ذریعے اس تحریک کو مزید وسعت اور تقویت دی۔ایسی خواتین قلم کاروں میں بیگم بھوپال، محمدی بیگم، طیبہ بیگم، صغرا ہمایوں مرزا، نذر سجاد حیدر، اشرف جہاں، والدہ افضال علی وغیرہ اہم ہیں"31

خواتین میں شعور کی رو بیدار ہوئی تو باغیانہ رویوں نے سر اٹھایا۔خواتین نے بذریعہ قلم اپنے مسائل کو بیان کیا کیونکہ عورتیں اپنے مسائل کو جس انداز میں دیکھتی اور برداشت کرتی ہیں اس انداز میں مرد نہیں لکھ سکتے۔ترقی پسند تحریک نے خواتین کی بیداری میں نمایاں کردار ادا کیا۔وہ مردوں کے ساتھ ساتھ آزادی کی تحریکوں میں حصہ لینے لگیں۔

"ترقی پسند تحریک کا اہم رخ یہ ہے کہ اس تحریک کے زیرِ اثر تعلیم یافتہ خواتین میں ذہنی اور فکری آزادی کی ایک لہر دوڑ گئی۔"32

خواتین نے افسانوں، ناولوں اور شاعری کے ذریعے نڈر ہو کر آواز اٹھائی۔

"آزاد عورت، ان باتوں سے چھٹکارا پا کر ہی وجود میں آئے گی جو آرہی ہے۔یہ بتانا مشکل ہے کہ اس کے تخیلات کی یہ دنیا، مردوں کی دنیا سے کس قدر مختلف ہو گی۔۔۔۔کتنا فرق، عورت کی اس دنیا میں مرد کی دنیا سے ہو گا، مگر عورت کی دنیا کا یہ فرق عورتوں کی ترقی کے امکانات کو روشن کرے گا۔ایسے امکانات جنہیں مردوں نے دبا دیا تھا۔ انسانیت کے لیے وہ گم ہو چکے تھے۔اب یہ بہترین اور بے حد مناسب موقع ہے کہ عورت، اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر، اپنی بھلائی کی فکر کرے۔"33

خواتین قلم کاروں نے اپنے ساتھ ہونے والے غیر مساوی سلوک کو اپنا موضوع بنایا۔اپنے مقام و منصب کو پانے کے لیے آواز اٹھائی۔سماج میں موجود جاہلانہ رسم و رواج کو روکنے کے لیے اپنی تحریروں کے ذریعے کاوشیں کیں۔کیونکہ ان کے ساتھ غیر منصفانہ رویہ برتا جاتا تھا۔خواتین پر زندگی میں آنے والی

خوشیوں کا دروازہ بند کر دیا جاتا تھا۔ لیکن عورتوں کے حقوق کے لیے آواز اٹھانے والی تحریکوں نے ان میں شعور کی رُو اجاگر کی۔ یہی وجہ ہے کہ خواتین نے اپنی حالت پر افسوس کرنے کی بجائے اپنی تخلیقات کے ذریعے اپنی قابلیت کالوہامنوانے کی سعی کی۔

"آج کے زمانے میں عورت کے اندر آزادی کی تمنا سر اٹھا رہی ہے وہ اپنی نجات کی راہ میں حائل تمام رکاوٹیں عبور کرنے کا عزم کیے ہوئے ہے۔ اس کے اندر کی عورت کو مسلسل محکوم کر کے نہیں رکھا جا سکتا۔ یہ نا قابلِ برداشت ہو چکا ہے، خاص طور پر آج کے دور میں، اور چونکہ یہ اب نا قابل برداشت ہے، اس لئے بغاوت کی آگ بھڑک چکی ہے۔"34

شاعری میں بھی خواتین نے سماجی رویوں کے بارے میں لکھا۔ تعلیم و تربیت، بیوگی، کم عمری کی شادی، غرض معاشرے میں برداشت کرنے والے تمام ظلم وزیادتی کے خلاف آواز اٹھائی۔ غلامی کی زنجیروں کو توڑنے اور ذات کے تشخص کی بحالی کے لیے اپنی تخلیقات کے ذریعے سرگرم رہیں۔ وہ تاریکیوں سے نکل کر روشنی کی جانب بڑھی۔ تحریکوں، افسانوں، ناولوں اور شاعری کے ذریعے غرض ہر شعبے میں اپنی ذات کو منوانے کی کوشش کرتی رہی اور ان کاوشوں کے نتائج نہایت پر افزا برآمد ہوئے۔ معاشرے میں ذہنی سطح کو بدلنے میں ادب نہایت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ کیونکہ تخلیق کار اپنی تحریروں کے ذریعے معاشرتی مسائل کو اجاگر کرتے ہیں۔

"بنیادی تبدیلیوں کی ضرورت کا احساس سب سے پہلے ادب ہی دلاتا ہے۔ اپنے آپ کو انقلابی کہے بغیر ادب ہر بڑے اور بنیادی انقلاب کا نقیب ہوتا ہے۔ چونکہ ادب ایک آلہ ہے۔ نئے توازن کی جستجو کا، اس لیے تبدیلوں کی حمایت ادب کے لیے ناگزیر ہے"35

جن خواتین افسانہ نگاروں نے نسائیت کو اپنا موضوع بنایا۔ ان میں رشید جہاں کا نام سر فہرست ہے۔ عصمت چغتائی، ہاجرہ مسرور، قراۃ العین حیدر اور بانو قدسیہ نے بھی نسائی مسائل پر لکھا۔ نثر نگاروں کے علاوہ شاعرات کے ہاں بھی نسائی بغاوت کی آواز سنائی دیتی ہے۔ رشید جہاں نے نسائیت کو اپنی تحریروں کا موضوع بنا کر آنے والی تخلیق کاروں کے لیے راہ ہموار کر دی تھی۔ اس لیے اب بذریعہ شاعری شاعرات نے

خود اعتمادی سے عورت کی حسیت کو اپنا موضوع بنایا۔ان شاعرات کی تحریروں میں ذات کا شعور نظر آتا ہے۔ تانیثی تحریک کی بدولت عورت اور مرد برابری کی سطح پر نظر آتے ہیں۔شاہدہ حسن لکھتی ہیں۔

"نئے عصری تقاضوں نے نہ صرف عورت اور مرد کے مروجہ روایتی رشتے کی معنویت کو بدلنا شروع کر دیا تھا۔ بلکہ اب مرد اور عورت ایک دوسرے کو نئی زندگی کے تناظر میں نئی توقعات کے ساتھ دیکھنے لگے تھے۔اردو شاعری نے عورت اور مرد دونوں کے اس بدلتے رویے کا گہرا اثر قبول کرنا شروع کیا اور وہ تمام تر شاعری جو اب تک مرد حضرات نسوانی جذبات کے بیان کے لئے 'حرف تانیثیت' کے ساتھ رقم کیا کرتے تھے یا جو جذبہ تخلیقی اظہار پر قادر خواتین 'حرف تذکیر' کے ساتھ ادا کیا کرتی تھیں،اب ایک بالکل مختلف اور نئے لہجے،نئے تخاطب اور نئی جمالیات کے ساتھ اظہار پانے لگی۔"36

ادا جعفری کی شاعری میں بھی تانیثی تحریک کا اثر نظر آتا ہے۔ عورت کی ذہنی کیفیات اور مسائل کو وہ اپنا موضوع بناتی ہیں۔ قاضی عبد الغفار کہتے ہیں۔

"جدید ادب و شعر کے معماروں کی صف اول میں ادا بدایونی کا نام اور کلام بہت نمایاں ہے۔ ان کے کلام میں قدیم اور فرسودہ نظام زندگی کے خلاف بغاوت کا ایک بے پناہ جذبہ کار فرما ہے۔ان کی آواز سراپا طلب اور احتجاج ہے۔ان کے انداز بیان سے ایک قوت ارادی میشرح ہے جس کے بغیر جدید ادب کے کسی معمار کا قیام موثر نہیں ہو سکتا۔"37

ادا نے اپنی شاعری کے آغاز میں ہی باغیانہ لب و لہجہ اپنایا ہے۔ وہ اس فرسودہ نظام زندگی سے آزادی چاہتی ہیں۔ اس لیے اپنی شاعری کے ذریعے اپنے خیالات کا اظہار کرتی ہیں۔ ادا کے فکر و اسلوب نے عورت کے مسائل کو نئے زاویے نگاہ سے منظر عام پر لایا۔ ان کی پہلی نظم 'احساس' ان کے باغیانہ لب و لہجے کی ترجمان ہے۔ بدایونی نے اس معاشرے میں سانس لیتی عورت کی اپنی شاعری میں تصویر پیش کی ہے۔

"ایک موہوم اضطراب سا ہے
اک تلاطم سا، پیچ و تاب سا ہے
امڈے آتے ہیں خود بخود آنسو
دل پہ قابو نہ آنکھ پر قابو
دل میں ایک درد میٹھا میٹھا سا

رنگ چہرے کا پھیکا پھیکا سا
زلف بکھری ہوئی پریشاں حال
آپ ہی آپ جی ہوا ہے نڈھال
سینے میں ایک چبھن سی ہوتی ہے
آنکھوں میں کیوں جلن سی ہوتی ہے
سر میں پنہاں تصور موہوم
ہائے یہ آرزوئے نامعلوم
ایک نالہ سا ہے بغیر آواز
ایک ہلچل سی ہے نہ سوز، نہ ساز
کیوں یہ حالت ہے بے قراری کی
سانس بھی کھل کے آ نہیں سکتی
روح میں انتشار سا کیا ہے
دل کو انتظار سا کیا ہے"38

ان کی کتاب "میں ساز ڈھونڈتی رہی" میں باغی انداز نظر آتا ہے۔ محمد عبدالغفار رقمطراز ہیں کہ:

"کسی نظام نو کی بنیاد قدیم سے بغاوت کیے بغیر قائم نہیں ہوتی۔ لوگ اسے بہت ہی شر انگیز نظریہ قرار دیتے لیکن ہر روز کی زندگی میں اس کی صداقت عیاں ہے۔ موجودہ حالات سے بیزاری اور نفرت کا جو پہلو "ادا بدایونی" کے کلام میں نمایاں ہے۔ اس کی توضیح ان ہی فتنہ انگیز نظریوں سے ہوتی ہے۔ وہ اپنی بیزاری اور یاس کے ہر نقش پر امید آرزو اور ارادہ کی ضرب لگاتی ہیں۔"39

ادا جعفری کی شاعری میں ہمیں زندگی کے عذاب کو جھیلنے کی آزمائش بھی نظر آتی ہے۔ جس سے وہ نکلنے کی راہ تلاش کر رہی ہیں۔ وہ اپنی بے چینی اور خواہشات کو اپنی شاعری میں قلمبند کرتی ہیں۔ ادا عورتوں کے زخم ناسوز کو شاعری کے پیرائے میں ڈھال کر پیش کرتی ہیں۔ اس عورت کا تذکرہ بھی کرتی ہیں جو صدیوں سے قید، اداسی اور تاریکی کے دلدل میں دھنسی ہوئی ہے اور چاہتی ہے کہ کوئی اسے اس تاریک دنیا سے رہائی دلائے۔

عورت نے اپنے تمام مسائل کو خود بیان کرنا شروع کیا۔ کیونکہ جن دشواریوں کا انہیں سامنا کرنا پڑتا ہے انہیں وہی بیان کر سکتی ہیں۔ "اپنی نگاہ" میں جویریہ خالد اور ثمینہ رحمان لکھتی ہیں۔

> "اپنی نگاہ سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ عورت کی اپنی نگاہ جس سے کہ وہ خود کو دیکھتی اور اپنے بارے میں سوچتی ہے۔ مردوں نے بھی عورتوں کے بارے میں بہت لکھا ہے۔ لیکن اب اس ابتدا کو جاری رہنا چاہیے کہ عورت خود اپنے آپ کو جانے اور اپنے مسائل پر بات کرے۔"40

نسائی شعور کے موضوع پر قلم اٹھانے والے قابل احترام ناموں میں فہمیدہ ریاض، کشور ناہید اور پروین شاکر کا نام نہایت اہم ہیں۔ ان شاعرات کی شاعری میں عورتوں پر ہونے والے مظالم کا ادراک اور ان جبر و ستم کے خلاف احتجاجی رویہ نظر آتا ہے۔ عورت پر مرد کی اجارہ داری کا رویہ نظر آتا ہے۔ عورت اپنی ذات کا شعور رکھتی ہے۔

اس لیے اپنے تشخص کی تلاش کے لیے کوشیاں ہے۔ فہمیدہ اپنی نظم و نثر میں عورت کے مقام و مرتبے اور انہیں درپیش مسائل کو نہ صرف اظہار میں لاتی ہیں بلکہ احتجاج کرتی ہیں۔ فہمیدہ نے اپنی شاعری میں ایسی عورت کو بیان کیا ہے جو اپنی ساخت پر شرمندہ نہیں ہوتی بلکہ مطمئن نظر آتی ہے اور دوسروں سے بھی یہی امید کرتی ہے کہ دوسرے لوگ بھی اس کی ذہانت کو تسلیم کیا جائے کیونکہ وہ ذہین و فطین بھی ہے۔

> "لارنس کے برعکس دورِ حاضر کی یہ انتہائی دماغی شاعرہ مارکسزم کو انسانیت کا نجات دہندہ بھی مانتی چلی آئی ہے۔ وہ استحصال سے پاک ایک جمہوری فلاحی معاشرہ قائم کرنے کے لئے میدان عمل میں اترنے کی بھی قائل ہے۔ وہ تمام اقتصادی اور مادی وسائل پر عوام کا برابر کا حق سمجھتی ہے اور پسماندہ مظلوم اور استحصال شدہ جمہور کے حقوق کی علمبردار ہے۔"41

نسائیت کی آواز کو بلند کرنے میں کشور ناہید کا نام ناقابل فراموش ہے۔ ان کی تحریروں میں موضوع گفتگو عورت ہے۔ کشور ناہید نے تانیثیت کی راہ میں اہم سنگ میل سمجھی جانے والی سیمون ڈی بووا کی کتاب سینکڈ سیکس کا "عورت۔ نفسیات کے آئینے میں" کے عنوان سے اردو ترجمہ کیا۔ انہوں نے شعری تخلیقات کے ساتھ ساتھ تحقیقی و تنقیدی کتب کے ذریعے بھی نسائیت کو اپنا موضوع بنایا۔ کشور اپنی شاعری میں عورت

کی محرومی، اس پر ہونے والے مظالم، نااتفاقی کو موضوع بناتے ہوئے احتجاجی رویہ اپناتی ہیں اور اپنے تشخص کے لیے آواز اٹھاتی ہیں۔

ستم شناس ہوں لیکن زبان بریدہ ہوں
میں اپنی پیاس کی تصویر بن کے زندہ ہوں

شاہدہ حسن کشور کی تحریروں کے بارے میں لکھتی ہیں کہ:

"کشور ناہید کا شعری اظہار ایک کھری اور سچی عورت کا اظہار ہے جس کی آواز مرد کے آگے کبھی نہیں گھگیائی۔ کشور ایک نسوانی وجود رکھنے کے باوجود مردوں کے اس معاشرے میں اپنی ذہنی فعالیت سے اپنا ایک ایسا تشخص قائم کرتی نظر آتی ہے جسے کسی بھی اعتبار سے رد کرنا ممکن نہیں۔ کشور ناہید کے لہجے سے کسی خوابوں میں کھوئی رومانوی اور جذباتی زندگی کے سحر سے لذت کشید کرتی عورت کی خواب ناک آواز کے بجائے ایک ایسی عورت کی آواز کا اعتماد ابھرتا ہے جو مرد سے رفاقتوں اور محبتوں کی التجا نہیں کرتی بلکہ مرد کو یہ احساس دلاتی نظر آتی ہے کہ حیات کے اس سفر میں اس کی سچی ہمراہی کا لطف اٹھائے بغیر خود مرد کا وجود ناآسودہ و تشنہ ہے۔ کشور ناہید کی شاعری جدید حسیت کا اظہار کرتی ہے۔ عورت سماج میں ایک ایسے تجربے کی انتہا تک پہنچتی نظر آتی ہے۔ جو ایسے ایک طویل عرصے پر پھیلی جدوجہد کے نتیجے میں ایک ایسے مقام پر لے آیا ہے جہاں سے اب اسے اپنے وجود کی روشنی میں اپنی اگلی راہوں کا تعین کرنا سہل ہو جائے گا۔ اس لئے کہ کشور کے یہاں افتادہ بے حال عورت کے بجائے ایک ایسی بھرپور عورت مکالمہ کرتی نظر آتی ہے جسے زندگی کے نت نئے تجربات اور انکشافات نے حوصلہ و اعتماد دے کر اک نئی شان سے مسکرانا سکھا دیا ہے۔"42

عورت کا اپنا مقام و مرتبہ کوئی نہ تھا۔ اسے برائی کا سرچشمہ اور حقیر سمجھ کر ذلیل کیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے وجود سے خود شرمندہ ہونے لگی لیکن فیمنسٹ لکھاریوں اور تحریکوں کی بدولت عورت میں اپنی ذات کا شعور پیدا ہوا اور معاشرے میں اپنے حقوق کے لیے ڈٹ کر تمام مسائل کا سامنا کیا اپنے استحصال کو روکنے اور خود مختاری کا اعلان کیا۔ زاہدہ حنا کی تحریروں میں ہمیں فلسفیانہ فکر، ذات کی آگہی نظر آتی ہے۔ وہ عورت کے معاشرے میں درپیش مسائل کو بڑی خوبی سے بیان کرتی ہیں۔ ان کے مطابق آج کی عورت اپنی اگنی پرکشا دینے کے بجائے یا غم کو سینے میں سینچنے کے بجائے اس کی دوا کا بندوبست کرتی ہے۔ وہ اپنی ذہانت

اور محنت کے بل بوتے پر سماج کو چیلنج کرتے ہوئے افق کی بلندیاں چھونے اور افق پر چمکنے کی تمنائی ہے۔ جیسے عورت کی ایک الگ ذات ہے، اسی طرح اس کی الگ پہچان اور اپنی ایک الگ شناخت ہے۔ یہی تشخص اور ذات کی تلاش ہمیں پروین شاکر کے ہاں نظر آتی ہے۔ وہ آہ وزاری کرنے کے بجائے یا مرد کی قید میں رہنے کے بجائے آزادی کی خواہش مند ہے۔ فرسودہ رسومات اور سماج سے چھٹکارا چاہتی ہے۔ اس بیداری اور ذہنیت کے باعث عورت مردوں کے اجارا دارانہ نظام کو ختم کر کے معاشرے میں منصفانہ تقسیم والا معاشرہ چاہتی ہے۔ جو عورت کو ظلم و بربریت کا نشانہ بنانے کے بجائے وہ تمام حقوق فراہم کرے جو اس پدری سماج میں مردوں کو حاصل ہیں۔

"اتنا سمجھ چکی تھی میں اس کے مزاج کو
وہ جا رہا تھا اور میں حیران بھی نہ تھی
اس کی مٹھی میں رہا بہت روز میرا وجود
میرے ساحر سے کہو اب مجھے آزاد کرے
میں اک نوزائیدہ چڑیاں ہوں لیکن
پرانا باز مجھ سے ڈر رہا ہے"43

تمام مذاہب اور تہذیبوں سے تعلق رکھنے والی عورت میں شعور کی لہر بیدار ہو چکی ہے۔ وہ اپنے الگ وجود کو تسلیم کرتی ہے، الگ ذہن رکھتی ہے، سمجھ بوجھ کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اپنے استحصال پہ اپنے ہونٹوں پر خاموشی کے قفل نہیں ڈالتی بلکہ اپنے آواز بلند کرتی نظر آتی ہے۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی عورت اپنے حقوق کے لیے جدوجہد کرتی نظر آتی ہے۔

نثری نظم:

دنیا کی ہر زبان میں شاعری پہلے تخلیق ہوئی جبکہ نثر کا آغاز بعد میں ہوا۔ ہر دور میں شاعری ایک اہم وسیلہ اظہار کا بہترین ذریعہ رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وسیلہ اظہار میں مزید نکھار پیدا کرنے کے لیے نت نئی پیرایوں کو اپنایا جاتا رہا ہے۔ ان پیرایوں کا کھلے دل سے خیر مقدم بھی کیا جاتا رہا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس پیرایہ اظہار نے ادب میں اپنے آپ کو بطور صنف یا ہیئت منوانے میں کس قدر کامیابی سمیٹی ہے۔ جب کوئی صنف یا ہیئت وجود میں آتی ہے تو فطری طور پر اس کے حمایتی اور مخالفین بھی پیدا ہوتے ہیں۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نئے پیرایہ اظہار کیسے وجود میں آتے ہیں؟ تو سادہ لفظوں میں اس سوال کا جواب یہ ہے کہ نئے پیرایہ اظہار ایک تو مروجہ اصناف میں تجربات کی صورت میں اور دوسرا مقامی زبانوں کے ادب پاروں کے علاوہ دیگر غیر ملکی زبانوں کے ادب پاروں کے تراجم سے وجود میں آتے ہیں۔ جن سے متاثر ہو کر مقامی شعرا اور ادبا ایک نئے پیرایہ کو وسیلہ اظہار بناتے ہیں۔

اگر ہم تاریخ پر نظر دوڑایں، تو اٹھارویں اور انیسویں صدی میں صنعتی انقلاب سے ہر میدان میں تبدیلی رونما ہوئی۔ یہ انسانی تاریخ کا ایک اہم اور نیا موڑ تھا۔ نئی نئی ایجادات نے انسان کے لائف اسٹائل اور فکر کو بدل کر رکھ دیا۔ چھاپہ خانوں کا آغاز بھی اسی دور میں ہوا۔ اسی دور میں فرانسیسی ادب میں دیگر غیر ملکی زبانوں کے ادب پاروں کا مقامی زبانوں میں تراجم کا رجحان بھی پیدا ہوا۔ فرانسیسی شعرا عروض کی بے جا بندشوں سے تنگ پڑ چکے تھے۔ وہ اس سے آزادی کے لیے کوشاں اور ایک نئے پیرایہ اظہار کے لیے سرگرداں تھے۔ ان شعرا نے نثری تراجم سے استفادہ کرتے ہوئے ایک نئی صنف کو متعارف کروایا۔ جس کو شاعرانہ نثر یا نثری شاعری کا نام دیا گیا۔ بودلیئر نے سب سے پہلے اپنی نظموں کو پروز پویم کا نام دیا۔ شمس الرحمن فاروقی نے بودلیئر کو ہی شاعرانہ نثر کا موجد قرار دیا ہے۔ باقاعدہ شاعرانہ نثر کا آغاز ایمل لاویل نے 1916 میں کیا۔ اس شاعرانہ نثر کو پیراگراف کی صورت میں لکھا جاتا تھا۔ اس کے بعد یہاں کی شاعری میں آزاد نظم کے تجربات ہوئے۔

فرانسیسی شاعری کے بعد انگریزی شعرا بھی ایک نئی ہئیت کی تلاش میں تھے۔ انگریزی نے بھی جلد ہی اس شاعرانہ نثر سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے ہاں متعارف کرا دیا، لیکن انہوں نے تھوڑی بہت عروضی بندوشوں کو بھی اپنایا۔ شاعرانہ نثر یہاں کی شاعری میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ اصل میں یہاں پہلے سے آزاد نظم کی فام موجود تھی۔ جو ان ضروریات کو پورا کر رہی تھی۔

انگریزی شاعری کی شاعرانہ نثر کی فام سے متاثر ہو کر اردو شعرا نے بھی نظم کا ذائقہ بدلنے کی کوشش کی۔ 1890 میں حالی اور آزاد نے نظم کو وسیلہ اظہار بناتے ہوئے نیچرل شاعری کی بنیاد رکھی۔ اس فام میں شعری لوازمات سے کسی حد تک انحراف تھا۔ اصل میں حالی سمجھتے تھے کہ شاعر خیال کی پیش کش کرتے

وقت عروض کی پابندیوں سے وہ شے پیش نہیں کرپاتا جو وہ پیش کرنا چاہتا ہے۔حالی نے اس بات کا شکوہ "مقدمہ شعر وشاعری" میں ان الفاظ میں کیا ہے:

> "شعر کے لیے وزن ایک ایسی چیز ہے جیسے راگ کے لیے بول۔ جس طرح راگ فی حد ذات الفاظ کا متحاج نہیں اسی طرح نفس شعر وزن کا متحاج نہیں۔اس موقع پر جیسے انگریزی میں دو لفظ مستعمل ہیں ایک پوئڑی،اور دوسرا درس۔ اسی طرح ہمارے ہاں بھی دو لفظ استعمال میں آتے ہیں۔ایک شعرا اور دوسرا نظم،اور جس طرح ان کے ہاں وزن کی شرط پوئٹری کے لیے نہیں بلکہ درس کے لیے ہے۔اسی طرح ہمارے ہاں یہ شرط شعر میں نہیں بلکہ نظم میں معتبر ہونی چاہیے۔"44

حالی اور آزاد کی اس تحریک سے متاثر ہو کر بہت سے شعرا نے نظم نگاری پر طبع آزمائی کی۔اسی دور میں عبدالحلیم شرر نے "دلگداز" رسالہ میں کچھ نظمیں شائع کی۔یہ نظمیں "نظم آزاد" کے عنوان شائع کی گئی،جو غیر مقفی تھی۔یہ نظمیں حالی اور آزاد کی نیچرل شاعری سے متاثر ہو کر لکھی گئی۔ان نظموں کو بابائے اردو مولوی عبدالحق نے "نظم معرا" کا نام دیا۔شعرا کے ایک بڑے طبقے نے اس نئی ہیئت کو کھلے دل سے خوش آمدید کہا۔جن میں حامد اللہ افسر،عظمت اللہ خان، نظم طباطبائی اور اسماعیل میرٹھی شامل تھے۔یہ نثری نظم کی طرف ایک اہم پیش رفت کہی جاسکتی ہے۔اس دور میں نثر و نظم میں ہر سطح پر تجربات کیے گئے۔اس نئی صنف نثر کو عبدالرحمن بجنوری نے شعر منشور کا نام دیا۔اس کے علاوہ اس کو ادبی شاہ پارے، انشائے لطیف، نثر لطیف،ادب لطیف،شاعرانہ نثر اور نظم منشور کا نام بھی دیا گیا۔

اگر شاعرانہ نثر کے آغاز کی بات کی جائے تو محققین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔وہ کسی ایک نقطے پر متفق نظر نہیں آتے۔ڈاکٹر وزیر آغا نے اس کا آغاز الہامی کتب میں تلاش کیا،ابن فرید نے قدیم یونان میں اس کی جڑیں تلاش کی،طارق زیدی قبل مسیح چینی شاعری کو اس کی ابتدا جبکہ لطیف احمد صدیقی قرآن کی آیات کو قرار دیتے ہیں۔اردو ادب کے آغاز میں مقفیٰ و مسجع نثر کو بھی ہم ایک طرح کی شاعرانہ نثر کہہ سکتے ہیں۔اس میں شاعرانہ لفظیات کے استعمال اور شاعری کا سا انداز اختیار کیا جاتا رہا ہے۔بیشتر تراجم اور تصانیف پر اس کی گہری چھاپ ملتی ہے۔غالب نے سب سے پہلے "تنگنائے غزل" کا شکوہ کیا ہے۔انہوں نے خطوط میں برجستہ اور شگفتہ نثر کی بنیاد رکھی۔ سرسید اور سرسید کے رفقا نے اس رجحان کو تراجم کی صورت میں مزید

تقویت بخشی۔ اس دور میں شاعری کے تراجم نے عوام الناس میں مقبولیت حاصل کی۔ آزاد کے انشائیوں، شبلی اور شرر کی تحریروں میں اس کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔ ادب لطیف کی تحریک بھی اسی دور میں شروع ہوئی۔ اسے رسالہ "ہمایوں" اور "نگار" نے باقاعدہ تحریک کی شکل دینے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ جسے امداد امام، مجنوں گورکھپوری، عبدالرحمن بجنوری، عبدالماجد دریا آبادی، اور نیاز فتح پوری نے بام عروج پر پہنچایا۔

تراجم کا سلسلہ ایسے تو انیسویں صدی میں شروع ہو گیا تھا لیکن بیسویں صدی کے آغاز میں تراجم نے اس نئے پیرایہ کے بننے میں گراں قدر اضافہ کیا۔ ٹیگور بنگالی زبان کے شاعر تھے۔ وہ آزادی کے علمبردار تھے۔ انہوں نے انسانی آزادی کے حق میں ہر سطح پر آواز بلند کی۔ سب سے پہلے ان کی شاعری کا انگریزی زبان میں ترجمہ ہوا، جس کے بعد مشرقی ادیبوں نے بھی ٹیگور کی شاعری کے تراجمہ کیے۔ ان تراجم میں کچھ تو انگریزی تراجم سے استفادہ کر کے کیے گئے اور کچھ براہ راست تراجم بھی تھے۔ ان کی شاعری کا اردو زبان میں نثری ترجمہ "گیتانجلی" بعنوان "عرض نغمہ" نیاز فتحپوری نے 1916 میں کیا۔ یہ کسی بھی زبان کی شاعری کا اردو زبان میں اولین ترجمہ تھا۔ انگریزی زبان میں "گارڈنز" کا اردو ترجمہ بعنوان "باغباں" عبدالحمید سالک نے کیا جبکہ اسٹرے برڈز کا اردو ترجمہ بعنوان "طیور آوارہ" کے کیا گیا۔ اس طرح بنگلہ دیشی زبان سے براہ راست اردو زبان میں ترجمہ بعنوان "کلیات ٹیگور" پروفیسر ضیاالدین نے 1934 میں کیا۔

تراجم کے سلسلے میں ٹیگور کے نام کے بعد دوسرا نام خلیل جبران کا ہے۔ ان کا تعلق لبنان سے تھا۔ وہ مصنف تھی۔ جو ان کے فلسفیانہ افکار پر مشتمل The prophet شاعر اور فلسفی تھے۔ ان کی وجہ شہرت ان کی کتاب تھی۔ اردو میں ان کی نثری نظموں کا ترجمہ ملک اشفاق نے "کلیات جبران" کے نام سے مرتب کیا۔ جبران کے بعد تیسرا نام فریڈرک نطشے کا قابلِ ذکر ہے۔ نطشے کا تعلق جرمنی سے تھا۔ وہ بھی فلسفی اور شاعر تھے۔ اردو میں فریڈرش نطشے کی "بقول زردشت" کا اردو ترجمہ پروفیسر منصور احمد نے کیا۔ اصل میں یہ ناول تھا لیکن اس کی زبان میں نظم کا رنگ نمایاں تھا۔

مذکورہ بالا پیراگراف میں دیے گئی دوسری زبانوں کے اردو میں تراجم کی کتب میں نئے پن، تازگی، احساس اور زبان و بیان میں چاشنی، لطافتیں اور شگفتگی موجود تھی۔ جو اپنے قاری کو اپنی گرفت سے نکلنے نہیں

دیتی تھی۔ ان تراجم کے باوجود ان میں ایک چیز نمایاں تھی جس پر رائی برابر فرق نہیں پڑا۔ جو جذبے کی شدت تھی۔ نثری تراجم کے باوجود ان میں شعری ارتکاز موجود تھا۔ 1900 سے 1925 تک تراجم کے اس سلسلے نے اردو میں ہیئت اور لفظیات کا ایک نیا تصور دیا۔ جو رفتہ رفتہ شعری پیکر اختیار کرتا چلا گیا۔ یہاں تک سبھی شعر منشور کی ذیل میں آتے ہیں۔ میاں بشیر احمد (نغمات) ل۔ احمد اکبر آبادی (نغمات زیریں) بھی شعر منشور کی ذیل میں آتے ہیں۔ اس طرح اکبر آبادی کی (روح ادب) بے ربط مصرعوں میں ہیں۔ جو نظم کے انداز میں لکھے گئے ہیں۔ جو نثری نظم ہر گز نہیں ہیں ۔ سید آصف علی (پرچھائیاں اور اس کا دوسرا رخ) عبدالغفار کی (اس نے کہا) پیراگراف کی ہیئت میں دراصل نثری شاعری ہی ہے لیکن ان کو باقاعدہ نثری نظمیں نہیں کہا جاسکتا۔ یہاں ایک بات قابل توجہ ہے جس کی طرف میں آپ کی توجہ مرکوز کروانا چاہتی ہوں وہ یہ کہ عام طور پر شعر منشور اور شاعرانہ نثر کو ایک ہی سمجھا جاتا ہے لیکن میرے نزدیک شاعرانہ نثر وہ پیرایہ اظہار ہے جس میں شاعرانہ انداز میں کوئی بات کہی جائے اور نثری پیرایہ اظہار وہ پیرایہ ہے جس میں شاعر اپنی محسوسات کو نثری پیرایہ میں کہے۔

1925 سے 1950 کے درمیانی عرصے میں باقاعدہ نثری نظم لکھنے کا رجحان پیدا ہوا۔ عام طور پر ترقی پسند مصنف و شاعر سجاد ظہیر کو اردو میں نثری نظم کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ بہت سے محققین اس بات پر متفق بھی نظر آتے ہیں کہ "پگھلتا نیلم" سے اردو میں نثری نظم کا باقاعدہ آغاز ہوتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ یہ نثری نظم کا پہلا باقاعدہ مجموعہ ہے لیکن اس کی بیشتر نظمیں کے مصرعوں میں آہنگ اور وزن موجود ہے۔ جنہیں ہم نثری نظموں میں شمار نہیں کرسکتے۔ باوجود اس کے کچھ نظمیں شعری لوازمات سے بھرپور ہیں۔ جن میں "بلور کے پیالے" "دیار" اور "نیا سال" شامل ہیں۔ باقاعدہ نثری نظم کے بانی میراجی ہیں۔ جنہوں نے رسالہ "خیال" میں بسنت سہائے کے نام سے 49-1948 میں نثری نظمیں شائع کروائی۔ آغاز میں وہ بسنت سہائے کے نام سے ہی لکھتے رہے لیکن بعد میں انہوں نے میراجی کے نام سے شائع کروائی۔ بہت سے محققین اس بات پر متفق ہیں کہ بسنت سہائے میراجی کا ہی دوسرا قلمی نام تھا۔ نثری نظم کا باقاعدہ آغاز میراجی کی نظم "یاتری" سے ہوتا ہے۔ یہ نظم فرانسیسی صنف پروز پوئم کی ہیئت میں لکھی گئی تھی۔ اس نظم میں تمام تر شعری لوازمات موجود تھے۔

1950 سے 1970 کا زمانہ نئی نظم کے تجربات کا زمانہ ہے۔اس دور میں نئی نظم کے عنوان سے کئی نظمیں چھپی۔جن میں ہیئت اور تکنیک کے حوالے سے تجربات کیے گئے۔جنہیں نثری نظم نہیں کہا جا سکتا۔"ادبی دنیا"لاہور میں بھی اس قسم کی نظمیں "تجزیاتی نظم" کے عنوان سے شائع ہوتی رہی ہیں۔مجید امجد کی نظم "متروکہ مکان" کو نثری نظم کہا جاتا ہے لیکن اس کے بیشتر مصرعے عروض کے رکن پر مکمل اترتے ہیں۔شہریار کی نظم "سنگ ریز"، کمار پاشی کی نظم "شہد" نثری نظم کے زمرے میں آتی ہیں۔

60 سے 80 کے درمیان نثری نظم کے شعرا کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ان میں پروفیسر خورشید الاسلام، احمد ہمیش، اعجاز احمد، محمد سلیم الرحمن، افتخار جالب، شہریاراورڈاکٹر محمد حسن شامل ہیں۔جبکہ 1980 کے بعد نثری نظم کے شعرا میں کشور ناہید، افضال سید، قمر جمیل، ذیشان ساحل، نسرین انجم بھٹی، عذا عباس اور فاطمہ حسن کے نام اہم ہیں۔

اگر نثری نظم کی ہیئت کی بات کی جائے تو بیسویں صدی میں اردو شاعری کی مروجہ اصناف کی ہئیتوں میں نثری نظم کی ہیئت ایک گراں قدر اضافہ ہے۔جس نے خود کو بطور صنف تو نہیں لیکن ہیئت کے طور پر اپنے آپ کو منوالیا ہے۔صنف اور ہیئت کے بارے محمد عارف لکھتے ہیں:

> "اگر ہم اسے پیرایہ سخن تسلیم کریں تو اس کا انفرادی وجود ختم ہو جاتا ہے۔اگر اسے ہیئت کہا جائے تو اس کے ساتھ شعر و نثر کی بحث جاری رہے گی۔اسے ہم صنف نہیں کہہ سکتے کیوں کہ یہ صنف تقاضے پورے نہیں کرتی۔صنف میں اجزائے ترکیبی اور مخصوص موضوع بھی ہوتے ہیں جو نثری نظم میں ندارد ہیں۔"45

جیسے درجہ بالا پیرا گرفوں میں نثری نظم کے آغاز پر بات کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ فرانسیسی شعرا نے دیگر زبانوں کے تراجم سے اس نئے پیرایہ کو دریافت کیا ہے۔جس کو انہوں نے شاعرانہ نثر کا نام دیا، بعد ازاں یہاں نظم معرا اور نثری شاعری میں ردھم پیدا کر کے آزاد نظم کے تجربات کیے گئے۔یہ تجربات عروضی آزادیوں کے باوجود شعری لوازم کو مد نظر رکھ کر کیے گئے تھے۔اس کے بعد غیر عروضی نظم کا دور شروع ہوا جس میں شاعرانہ احساسات اور داخلی کیفیات کے علاوہ کوئی شعری لوازم نہیں تھا جس کی بنیاد بنا کر اس کو شاعری میں شمار کیا جاتا۔لہذا اس کو نثری نظم یعنی شاعرانہ نثر کا نام دیا گیا۔اسی شاعرانہ نثر سے استفادہ

کرتے ہوئے تھوڑا بہت عروض کی پابندیوں کو مد نظر رکھ انگریزی شعرا نے اپنے ہاں متعارف کروایا۔ جن سے آگے اردو شعرا نے استفادہ کیا۔ اردو میں یہ صنف آغاز سے ہی متنازع بنی رہی، کیوں کہ ہمارے ہاں رکنی آہنگ کو بہت زیادہ اہمیت حاصل تھی۔

شمس الرحمن فاروقی لکھتے ہیں:

> "جب تک ہم عروض کی بے جا بندشوں سے اپنے کونوں کو آزاد نہ کرالیں میں نظمیں کہنا تو بعد کی بات ہے۔ اپنی شاعری کے Speech Rythem موجود ساکت و جامد آہنگوں کے بحرہ ہفت بلا سے ہی نہ نکل پائیں گے۔۔۔!"46

یہاں پہلے سے نثری نظم کی ہیئت میں آزاد نظم کے حوالے سے تجربات ہو چکے تھے۔ اس کو ن-م راشد نے متعارف کروایا تھا۔ ان کا مجموعہ "ماورا" اس حوالے اہمیت کا حامل ہے۔ آزاد نظم چھوٹے بڑے مصرعوں کی صورت میں لکھی جاتی تھی۔ جس میں ردھم موجود ہوتا تھا۔ آزاد نظم اور نثری نظم بنیادی طور ایک دوسرے سے زیادہ مماثلت رکھتی ہیں لیکن ان میں بنیادی فرق رکنی اور لسانی آہنگ ہے۔ آزاد نظم میں رکنی جبکہ نثری نظم میں لسانی آہنگ موجود ہوتا ہے۔ نثری نظم لسانی آہنگ پہ لکھی جاتی ہے۔

جیسے ہم نے آغاز میں یہ بات کی تھی کہ جب کوئی ہیئت یا صنف وجود میں آتی ہے تو اس کے حمایتی اور مخالفین بھی پیدا ہو جاتے ہیں تو نثری نظم کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا ہے۔ ان میں بڑے بڑے ناقدین اور شعرا و ادبا شامل ہیں۔ جو اس کی حمایت اور مخالفت کرتے ہیں۔ ایک طبقے کی یہ رائے ہے کہ شاعری، شعری لوازم کی پابند ہے کیوں کہ یہی شعری آہنگ ترتیب دیتے ہیں۔ دوسرا طبقہ اس کے برعکس کہتا ہے کہ جس تخلیق میں شعری حس موجود ہو وہ شاعری ہے جس کے لیے شعری لوازم کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس آہنگ کا اظہار زبان ہے نثری نظم میں نہ تو شعری لوازم ہوتے ہیں نہ ہی نثر کا سا بیانیہ انداز بلکہ یہ کوئی تیسرا پیرایہ معلوم ہوتا ہے۔

نثری نظم میں خیالات کا اظہار مروجہ شاعری کی طرح فطری بہاؤ کا شکار نہیں بلکہ اس کے مقابلے قدرسست ہوتا ہے۔ اس کے مصرعے بے ربط اور منطقی تسلسل سے بھی عاری ہوتے ہیں۔ لیکن موضوعات میں ندرت، اختصار، خیال کی تکاثف اور جذبے کی شدت اس کی ایک اپنی انفرادیت قائم کرتی ہے۔

ڈاکٹر محمد عارف لکھتے ہیں:

"نثری نظم نثر میں شاعری کی وہ ہیئت ہے جس میں شاعر کی داخلی کیفیات اپنے پورے احساس کے ساتھ موجود ہوتی ہے۔ نثری نظم رکنی آہنگ نہ سہی لیکن لفظوں میں شاعر کے جذبے کی شدت اور تاثر کی موجودگی سے اس میں ایک مخصوص شعری کیفیت پیدا ہو جاتی اور اس کا صوتی آہنگ اسے شاعری سے قریب تر کر دیتا ہے۔"47

مجوزہ بالا اقتباس کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو اس داخلی کیفیات اور صوتی آہنگ نثری نظم کی انفرادیت ہے جس کو کسی منطقی اور نہ سائنٹفک طریقے سے ثابت کیا جا سکتا ہے۔

نجمہ منصور:

نجمہ منصور کا خاندانی نام نجمہ کوثر ہے۔9نومبر1966 میں سرگودھا میں پیدا ہوئیں۔ میٹرک کا امتحان گورنمنٹ ہائی سکول نمبر 27 بلاک سے 1981 پاس کیا۔ 1983 میں ایف۔اے اور 1985 میں بی۔اے کا امتحان پاس کیا۔ تاریخ میں ایم اے کیا۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے بی ایڈ اور ایم ایڈ کی ڈگریاں بھی حاصل کیں۔ نجمہ منصور کے درس و تدریس کے شعبہ سے وابستگی کو 24 سال ہونے کو ہیں۔

نجمہ منصور نے کالج کے زمانے سے نثری نظمیں لکھنے کا آغاز کیا۔ ڈاکٹر وزیر آغا کے مشورے پر نظموں کی طرف مائل ہوئیں۔ نجمہ منصور کے پانچ نثری نظموں کے مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔1990 میں شعری سفر کا آغاز کیا اور پہلا نثری نظموں کا مجموعہ "میں، سپنے اور آنکھیں" منظر عام پر آیا۔ دوسرا مجموعہ "محبت کیوں نہیں کرتے؟"، تیسرا مجموعہ "اگر نظموں کے پر ہوتے"، چوتھا مجموعہ "تم"، اور پانچواں مجموعہ "گیلی سیلی نظمیں" شائع ہو چکا ہے۔ ان تمام مجموعوں کو 2016 میں "کلیات نجمہ منصور" میں شامل کیا گیا۔ اس کلیات میں 1990 سے 2016 تک کا تمام کلام شامل ہے۔ "نظم کی بارگاہ میں" 2019، "محبت کا روزنامچہ "2020 اور "سانس کی گرہ کھلتے ہی" 2021 میں شائع ہوا۔

سدرہ سحر عمران:

اردو ادب کی ممتاز نوجوان کہانی نویس، ڈارمہ نگار، مصنفہ و شاعرہ سدرہ سحر عمران 8 اگست 1986 کو کراچی میں چودھری محمد عمران کے گھر پیدا ہوئی۔ جو ایک مذہبی گھرانہ ہے۔ ان کے والد پیشے کے اعتبار سے

کاروباری شخص ہیں۔ان کے آباواجداد کا تعلق سرگودھا سے ہے۔انہوں نے اپنی تعلیم کراچی یونیورسٹی سے ایم اے اردو ادب میں مکمل کی۔2015 میں محمد وسیم چوہدری کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئی۔ جہاں تک قلم سے محبت کی بات ہے تو ابتدائی عمر سے ہی لکھنے لکھانے کی طرف مائل رہی ہیں۔بچپن سے ان کے تخلیق اخبارات ورسائل کی زینت بنتی رہی ہیں۔انہوں نے سوشل میڈیا سے شہرت حاصل کر کے ادبی حلقوں تک رسائی حاصل کی۔نثری نظم پر ان کے دو مجموعے "ہم گناہ کا استعارہ ہیں"2016 میں اور "موت کی ریہرسل"2020 میں منظر عام پر آچکے ہیں۔ان مجموعوں کے دیگر زبانوں میں تراجم بھی ہو چکے ہیں۔جن میں فاطمہ تبسم نے "ہم گناہ کا استعارہ ہیں"کا ہندی زبان میں ترجمہ جبکہ محمد ازرم نے "موت کی ریہرسل"کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔اس کے علاوہ مضامین پر مشتمل ایک کتاب "نقش قلم" ہے۔

بطور ڈراما نگار کے انہوں نے 2016 میں عمیرا احمد کے ساتھ اسکرپٹ رائیٹر کے طور ڈراما "امرت اور مایا" سے لکھنا کا آغاز کیا۔ڈراما سریل "جلن" اور "مجھے پیار ہوا تھا" ان کا مقبول ڈراما ہے جو اے۔آر۔وائے کی زینت بن کر عوام میں مقبولیت کے جھنڈے گاڑ چکا ہے۔سدرہ سحر عمران نے دکھاواسیزن 3 میں "ڈھونگ" ڈرامہ بھی لکھا۔اس کے علاوہ آج کل بھی وہ بطور اسکرپٹ رائیٹر کے مختلف ٹی وی چینل کے ساتھ وابستہ ہیں۔

عذرا عباس:

نثری نظم لکھنے والوں میں ایک اہم نام عذرا عباس کا ہے۔آپ 1950 کو پاکستان کے شہر کراچی میں پیدا ہوئیں۔آپ ماسٹر کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد کراچی کے سرکاری کالج میں تدریس کے شعبے سے وابستہ ہو گئیں۔آپ کے خاوند کا نام انور سین رائے ہے،جو ایک ناول نگار اور شاعر بھی ہیں۔1981 میں عذرا عباس کا پہلا شعری کلام شائع ہوا جس میں نسائی نثری نظمیں شامل تھیں۔اب تک عذرا عباس کی نظموں کے مجموعے "میں لائین کھینچتی ہوں،"راستے مجھے بلاتے ہیں""نثری نظموں کا مجموعہ "میز پر رکھے ہاتھ "منظر عام پر آچکے ہیں اور آپ نے "میرا بچپن" کے نام سے ایک خود نوشت بھی لکھی۔اس کے علاوہ ایک ناول اور افسانہ بھی لکھا ہے۔

عارفہ شہزاد:

نظم گو شاعرات میں ایک نام عارفہ شہزاد کا بھی ہے۔وہ 15 جون 1974 کو لیہ میں پیدا ہوئیں۔ان کے والد محترم کا نام ملک محمد اقبال ہے۔ آپ شاعرہ، محقق، نقاد، اور استاد ہیں۔

آپ نے ابتدائی تعلیم کا آغاز جڑانوالہ سے کیا۔ میٹرک گورنمنٹ گرلز ہائی سکول نمبر 1، کارخانہ بازار فیصل آباد سے 1990 میں، ایف۔ایس۔سی گورنمنٹ کالج فار وومن مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد سے 1992 میں، ایم۔اے اردو ادب میں اورینٹل کالج لاہور سے 1998 میں، ایم۔فل علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے 2006 میں جبکہ پی۔ایچ۔ڈی پنجاب یونیورسٹی سے 2015 میں مکمل کی۔ ایم اے میں مقالہ "جدید اردو شاعری میں کرداری نظمیں" پر، ایم فل میں "کلام فیض کے انگریزی تراجم کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ" اور پی ایچ ڈی میں "انگریزی زبان میں اردو ادب کی تنقید" پر لکھا۔وہ 2001 میں شہزاد صفدر سے رشتہ ازواج میں منسلک ہوئیں۔

وہ دوران تعلیم 2001 میں بطور لیکچرار اورینٹل کالج کے شعبہ اردو سے وابستہ ہوئیں۔بعد ازاں 2018 تک ایسسٹنٹ پروفیسر کے عہدے پر فائز رہیں اگست 2018 میں ترقی پا کر ایسوسی ایٹ پروفیسر کا عہدہ سنبھالا۔دوران تدریس بہت سے طلبا و طالبات نے ان کی نگرانی میں ایم۔اے، ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی کے مقالات کیے۔

انہیں کتاب بینی اور لکھنے لکھانے کا شوق بچپن سے تھا۔ان کی پہلی نظم 1998 میں وزیر آغا کے رسالے "اوراق" سے چھپی۔ جس سے انہوں نے باقاعدہ نظم گوئی میں قدم رکھی۔اس کے بعد ان کی نظمیں دیگر رسائل اور جرائد کا حصہ وقتاً فوقتاً بنتی رہی۔ جن میں "نیرنگ خیال"، "اجراء"، "اسالیب"، "تسطیر"، "پہچان"، "آج"، "استفسار" اور "کارواں نقاط" شامل ہیں۔شاعری میں ان کے استاد زاہد منیر عامر ہیں۔ان کے پہلا شعری مجموعہ "عورت ہوں نا!" کے نام سے 2016 میں منظر عام پر آیا۔ جسے دستاویز مبطوعات، لاہور نے چھاپا۔اس مجموعے کی اشاعت سے انہوں نے شہرت کی بلندیوں کو چھوا اور بہت کم وقت میں اس صف میں کھڑی ہو گئی جس میں کشور ناہید، فہمیدہ ریاض، پروین شاکر اور عذرا عباس کھڑی ہیں۔اس کے علاوہ "لفظ جگمگائیں گے" (مرتبہ) (منتخب کلام) پنجاب یونیورسٹی شعبہ اردو اورئینٹل کالج لاہور، 1998 میں، "جدید اردو

شاعری میں کرداری نظمیں" (تحقیق و تنقید) الاشراق پبلی کشنز، لاہور سے 2007 میں، "انگریزی میں اردو ادب کی تنقید (تحقیق و تنقید) دستاویز مطبوعات، لاہور سے 2019 میں شائع ہوئی۔ اس کے علاوہ "مجید امجد کی شاعری کے انگریزی تراجم"، "زندہ وجاوید" اور "کلام فیض کے انگریزی تراجم بھی کتابی صورت میں چھپ چکے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ عصمت جمیل ،ڈاکٹر، "نسائی شعور کی تاریخ اردو افسانہ اور عورت "، مقتدرہ قومی زبان، پاکستان، ۲۰۱۲ء، ص ۱۲

۲۔ ایضاً

۳۔ ایضاً، ص ۱۳

۴۔ عقیلہ جاوید، "اردو ناول میں تانیثیت"، بہاالدین زکریایونیورسٹی، ملتان، ۲۰۰۵ء، ص ۲۲

۵۔ ایضاً، ص ۲۴

۶۔ ایضاً، ص ۲۵، ۲۶

۷۔ ایضاً، ص ۲۹

۸۔ ایضاً، ص ۳۱

۹۔ ایضاً، ص ۳۱

۱۰۔ عصمت جمیل، ڈاکٹر، "نسائی شعور کی تاریخ اردو افسانہ اور عورت"، مقتدرہ قومی زبان، پاکستان، ۲۰۱۲ء، ص ۴۰

۱۱۔ ایضاً، ص ۴۶

۱۲۔ مبارک علی، ڈاکٹر، "تاریخ اور عورت"، بک سٹریٹ 39۔ مزنگ روڈ لاہور، پاکستان، ۲۰۱۲، ص ۴۰

۱۳۔ عقیلہ جاوید، "اردو ناول میں تانیثیت"، بہاالدین زکریایونیورسٹی، ملتان، ۲۰۰۵ء، ص ۳۵

۱۴۔ مبارک علی، ڈاکٹر، "تاریخ اور عورت"، بک سٹریٹ 39۔ مزنگ روڈ لاہور، پاکستان، ۲۰۱۲ء، ص ۴۷

۱۵۔ ایضاً

۱۶۔ عقیلہ جاوید، "اردو ناول میں تانیثیت"، بہاالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، ۲۰۰۵ء، ص ۴۴

۱۷۔ سیمون دی بووا ترجمہ یاسر جواد، جسمانی، تاریخی، نفسیاتی اور معاشرتی مطالعہ عورت، فنکشن ہاؤس، ۲۰۱۳ء، ص ۱۶

۱۸۔ ایضاً، ص ۱۸

۱۹۔ ایضاً، ص ۱۵

۲۰۔ انیس ہارون، "فیمنزم اور ہم"، مشمولہ فیمنزم اور ہم، (ادب کی گواہی)، ادارت، ڈاکٹر فاطمہ حسن، وعدہ کتاب گھر، ۲۰۰۵ء، ص ۱۲

۲۱۔ فہمیدہ ریاض، "فیمنزم اور ہم"، مشمولہ، فیمنزم اور ہم، (ادب کی گواہی)، ادارت، ڈاکٹر فاطمہ حسن، وعدہ کتاب گھر، ۲۰۰۵ء، ص ۳۲

۲۲۔ عظمیٰ فرمان فاروقی، ڈاکٹر، "اردو ادب میں نسائی تنقید"، (روایت، مسائل و مباحث)، سعید پبلی کیشنز، کراچی، ۲۰۱۰ء، ص ۱۱

۲۳۔ اعجاز الرحمٰن، "تانیثیت اور قراۃ العین حیدر کے نسوانی کردار"، عرشیہ پبلی کیشنز، دھلی، ۲۰۱۰، ص ۸

۲۴۔ ایضاً، ص ۸،۹

۲۵۔ ایضاً، ص ۹

۲۶۔ عقیلہ جاوید، "اردو ناول میں تانیثیت"، بہاالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، ۲۰۰۵ء، ص ۵۹

۲۷۔ سیما صغیر، ڈاکٹر، "تانیثیت اور اردو ادب" (روایت، مسائل اور امکانات)، براؤن بک پبلی

کیشنز،۲۰۱۸ء، ص۱۷

۲۸۔ عظمیٰ فرمان فاروقی،ڈاکٹر،"اردو ادب میں نسائی تنقید"،(روایت،مسائل ومباحث)،سعید پبلی کیشنز، کراچی،۲۰۱۰ء، ص۱۹

۲۹۔ ایضاً،ص۱۰۸

۳۰۔ فاطمہ حسن،"فیمنزم اور ہم،وعدہ کتاب گھر"، کراچی،۲۰۰۵ء، ص۲۳

۳۱۔ انور پاشا،"تانیثیت اور ادب"، عرشیہ پبلی کیشنز، ص۱۵۴

۳۲۔ عظمیٰ فرمان فاروقی،ڈاکٹر،"اردو ادب میں نسائی تنقید"،(روایت،مسائل ومباحث)،سعید پبلی کیشنز، کراچی،۲۰۱۰ء، ص۶۲

۳۳۔ انور پاشا،"تانیثیت اور ادب"، عرشیہ پبلی کیشنز، ص۱۸

۳۴۔ حیسبیر جین ، ترجمہ ، اعزاز باقر ، "تحریک نسواں (ثقافت ، موضوعیت اور نمائندگی)"، مشعل بکس،لاہور،۲۰۱۴، ص۲۲۶

۳۵۔ سیما صغیر،ڈاکٹر،"تانیثیت اور اردو ادب"(روایت،مسائل اور امکانات)،براؤن بک پبلی کیشنز،۲۰۱۸ء، ص۱۱۹

۳۶۔ انور پاشا،"تانیثیت اور ادب"، عرشیہ پبلی کیشنز، ص۱۵۵

۳۷۔ ایضاً، ص۱۵۶،۱۵۵

۳۸۔ ادا جعفری(بدایونی)،"میں ساز ڈھونڈتی رہی"،غالب پبلشرز دوسرا ایڈیشن،دسمبر ۱۹۸۲، ص۲۹،۳۰

۳۹۔ ادا جعفری(بدایونی)،"میں ساز ڈھونڈتی رہی"،غالب پبلشرز دوسرا ایڈیشن،دسمبر ۱۹۸۲، ص۲۰

۴۰۔ انور پاشا، "تانیثیت اور ادب"، عرشیہ پبلی کیشنز، ص ۱۶۲

۴۱۔ خالدہ حسین، فیمنزم اور ہم، مشمولہ فیمنزم اور ہم، (ادب کی گواہی)، ادارت، ڈاکٹر فاطمہ حسن، وعدہ کتاب گھر، ۲۰۰۵ء، ص ۱۸۸

۴۲۔ انور پاشا، "تانیثیت اور ادب"، عرشیہ پبلی کیشنز، ص ۱۶۵، ۱۶۴

۴۳۔ ایضاً، ص ۱۷۲

۴۴۔ الطاف حسین حالی، مقدمہ شعر و شاعری، ناشر سرسید بک ڈپو، علی گڑھ، ۱۹۲۸، ص ۲۷

۴۵۔ محمد عارف خان، ڈاکٹر، اردو میں نثری نظم کا آغاز و ارتقاء (تحقیقی مقالہ)، طابع۔ دو یک آفسیت پریس، لکھنو، ۲۰۱۱ء، ص ۴۰

۴۶۔ ایضاً، ص ۱۳۸

۴۷۔ ایضاً، ص ۳۵

باب دوم:

منتخب شاعرات کی نظموں میں نسائی حسیات کے شعور کا جائزہ

حسیات حس کی جمع ہے۔ قوت سامعہ، لامسہ، ذائقہ، شامہ، باصرہ حواس خمسہ ہیں جن کے ذریعے انسان محسوس کرتا ہے۔ فیروز اللغات میں حس کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے۔

"محسوس کرنے کی قوت، جنبش، حرکت۔ جمع: حسیات۔"1

حس مشترک سے مراد ہے کہ:

"ایک قوت جو حواسِ خمسہ کے ذریعے محسوس کی ہوئی صورتوں کو قبول کر کے ایک خزانے میں جمع کر دیتی ہے یہ خزانہ خیال ہے۔ عقل عامہ"2

حسیات ہر ذی نفس میں پائی جاتی ہیں۔ یہ احساسات غم و خوشی کے احساسات ہوتے ہیں۔ انہی احساسات کی بدولت انسان پر مختلف کیفیات طاری ہوتی ہیں۔ انسان ایسی تخلیقِ خدا ہے جو کہ اپنے محسوسات کو الفاظ کے ذریعے صفحہ قرطاس پر منتقل کر دیتا ہے۔

نسائی حسیات سے مراد عورت کے محسوسات ہیں۔ عورت اس بات کا شعور رکھتی ہے کہ وہ کوئی بے جان چیز نہیں بلکہ ایک زندہ وجود اور الگ شخصیت ہے۔ وہ اپنے مقام کو پہچانتی ہے۔ لیکن اس پدری معاشرے میں اسے اپنا مقام و مرتبہ حاصل کرنے کے لیے جہدِ مسلسل سے گزرنا پڑا ہے۔ اس نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے ذریعے معاشرے میں عورت پر ہونے والے ظلم و ستم اور بربریت کا پردہ چاک کرنے اور اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے آواز اٹھائی ہے۔ اس کا اِس دنیا کو دیکھنے کا نقطہ نظر مردوں سے مختلف ہے۔ کیونکہ وہ اپنے مسائل کو جس انداز میں بیان کر سکتی ہے مرد اس انداز میں انہیں نہیں دیکھتا اور نہ ہی انہیں محسوس کر سکتا ہے۔ پدری معاشرے میں مردوں کی اجارہ داری کی وجہ سے عورتیں گھریلو تشدد کا نشانہ بنتی رہی ہیں۔ وہ اپنے حقوق، اپنی حیثیت سے ناواقف تھیں۔ لیکن نسائی شعور کی بیداری نے انہیں اپنے تشخص کی تلاش کی جانب ابھارا اور وہ مردوں کے اس معاشرے میں بھی اپنی صلاحیتوں کو آزمانے لگی۔

خالدہ حسن کے مطابق:

"نفسیاتی حسیت سے مراد ہے کہ عورت جس طرح زندگی کو دیکھتی اور بسر کرتی ہے وہ مرد سے مختلف ہے۔۔۔ اسی طرح عورت کا وقت کے ساتھ تعلق اور زمانی احساس مرد

سے مختلف ہے۔۔۔۔وہ اپنی سائیکی جو مرہونِ منت ہے اس کی جسمانیات کے حوالے سے فطرت کے تمام مظاہر کو، جس میں اس کے پانچوں حواس سے اخذ کردہ تجربہ یعنی رنگ، خوشبو، آواز، لمس اور ذائقہ شامل ہیں۔اپنے انداز سے محسوس کرتی ہے،اس میں صدیوں کے روایتی تلازمات کا بھی دخل ہے اور حال کی تبدیلیوں اور مستقبل کی امیدوں کا تعلق بھی۔وہ جب موسموں، رتوں، رنگوں، خوشبوؤں کا تجربہ کرتی ہے تو اس کے تلازمات میں ممتا اور بیٹی، بہن اور بیوی کی ذات شامل ہوتی ہے۔۔۔۔یوں شعر میں عورت کی شخصیت ایک منفرد نقطہ نظر کی صورت اختیار کرتی ہے۔تو ہم اسے نسائی حسیت کا نام دیں گے۔"3

عورت نے اپنے تشخص کی تلاش و اثبات میں اپنی شناخت، اپنی پہچان اور اپنے وقار کو منوانے کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔تمام مسائل کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہوئے اپنی بقا کی جنگ لڑی۔سیاست ہو یا ادب ہر میدان میں اپنی قابلیت کا لوہا منوانے کی سعی جاری و ساری رکھی۔ادبی سطح پر بذریعہ قلم معاشرے کی خواتین میں شعور پیدا کیا کہ وہ کسی سے کمتر نہیں ہیں انہیں اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزارنے کا پورا حق حاصل ہے۔تانیثی تحریکوں نے بھی عورتوں کے حقوق کی بحالی میں اہم کردار ادا کیا۔فرسودہ رسومات اور رواجوں کو روکنے کے لیے جدوجہد کی۔اسی محنت اور جدوجہد کا نتیجہ یہ رہا ہے کہ بین الاقوامی سطح پر بھی عورتوں کے مسائل کو موضوع بنایا گیا اور مختلف تنظیموں اور تحریکوں نے عورتوں کے حقوق کی بحالی کی مہم چلائی۔پدرانہ سماج میں سیاسی، سماجی، طبی، اخلاقی اور تعلیمی غرض ہر میدان میں عورت کے مسائل کو موضوع بنایا گیا ہے۔جنسی تقسیم اور صنفی اختلاف کو ختم کر کے مساوانہ حقوق کی بات کی گئی۔عورتوں نے اپنے آپ کو لاچار، بے بس، مظلوم، مجبور، کمتر اور مردوں کے ہاتھوں کٹھ پتلی اور بے چارگی کی تصویر بننے کی بجائے فرسودہ رسم و رواج سے بغاوت کی۔یہی وجہ ہے کہ عورت نے سیاست ہو یا ادب ہر میدان میں تعصبات کا سامنا کرنے کے باوجود اپنی قابلیت کا لوہا منوایا۔عورت نے ہر دور میں اپنے آپ کو منوانے کے لیے اور تشخص کو پانے کے لیے ان تھک کوشش کی۔

"عورتیں اپنی نگاہ یا نقطہ نظر سے اپنی ذات اور حیات سے منسلک تمام نکات و جہات پر نظر رکھنا چاہتی ہیں۔سمجھنا اور پرکھنا چاہتی ہیں۔بدلے زمانے کے میلانات نے عورت کی حسیت کو متاثر کیا۔اس کے اندر یہ شعور بالید ہوا کہ وہ اسپاس کی دنیا اور ماحول کو اپنی آنکھوں سے دیکھے اور اس کے تئیں ذاتی ردعمل بھی ظاہر کرے۔"4

خواتین قلم کاروں نے ادب میں اپنے ناولوں اور افسانوں میں سنجیدگی سے معاشرے میں ظلم کی چکی میں پستی خواتین، اس کی شناخت کی تلاش اور تمام نسائی مسائل کے موضوع کی جانب توجہ مبذول کروائی ہے۔ شاعرات نے بھی اسے اپنی شاعری میں موضوع بنایا ہے۔ فہمیدہ ریاض، کشور ناہید اور پروین شاکر کی شاعری میں یہ موضوع نظر آتا ہے۔ ان کی نظموں میں موضوعات کے لحاظ سے تنوع پایا جاتا ہے اور انفرادی لہجہ دکھائی دیتا ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں عورت کو موضوعِ گفتگو بنایا ہے۔ چپ چاپ، گونگی بہری بنی ظلم برداشت کرتی عورت اور اس کے علاوہ ایسی عورت کو بھی موضوع گفتگو بنایا جو ذہین اور باشعور ہے۔ جیسے کہ فہمیدہ کی نظم اقلیما میں اس عورت کا بیان ہے جو ایک الگ حیثیت کی حامل ہے یعنی سوچ و بچار کرتی ہے۔ اپنی شناخت چاہتی ہے، باشعور ہے، اور چاہتی ہے کہ دوسرے بھی اس کی حیثیت، اس کی قابلیت کو تسلیم کریں۔ ان شاعرات کی شاعری میں ہمیں اپنے اردگرد سے بے نیاز گھریلو ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھاتی بے بس عورت بھی دکھائی دیتی ہے۔

1960 کے بعد کی شاعری میں ہمیں عورت میں اپنی ذات کا شعور نظر آتا ہے۔ وہ اپنی حق کی بات کرتی اپنے پر ہونے والے مظالم کی داستان سناتی اور اس کے خلاف احتجاج کرتی نظر آتی ہے۔

> "1960 کے بعد کی شاعری یعنی نئی شاعری میں جدید عورت کا پیرائے اظہار اس کی ذات کا ترجمان ہے۔۔۔۔ پوری صداقت اور اعتماد کے ساتھ ذاتی تعارف کے برملا اظہار کا نام تانیثیت ہے۔ اس تصور نے اسے یہ بے باکی عطا کی کہ نئی عورت تانیثیت کے اعلان نامہ کے ساتھ شاعری میں داخل ہوئی اور اس نئی عورت کی نمائندگی کشور ناہید اور فہمیدہ ریاض نے کی اور اس طرح تانیثی تحریک کا باضابطہ عمل دخل شعری تخلیقات میں ہونا شروع ہوا۔"5

نجمہ منصور کی نثری نظموں میں نسائی حسیات کے شعور کا جائزہ:

نجمہ منصور ایک منفرد اور اچھوتے انداز میں نثری نظم کے ذریعے اپنے احساسات اور جذبات کو قلمبند کرتی ہیں۔ ان کا اسلوب قاری کی توجہ اپنی جانب کھینچ لیتا ہے۔ ان کی نظموں میں نسائی شعور نظر آتا ہے۔ وہ نسائیت کے موضوع پر لکھتی ہیں لیکن ان کے انداز میں باغیانہ لہجے کی گھن گرج نہیں بلکہ ایک کومل انداز اور مشرقی نسائی حسیت نظر آتی ہے۔ نجمہ منصور عورت کو درپیش مسائل کو اپنے احتجاجی لہجے میں بیان

کرتی ہیں۔ وہ مردوں کی اجارہ داری اور عورتوں کے استحصال کو اپنی نظموں کا موضوع بناتی ہیں۔ ان کی نظمیں نسائی جذبات واحساسات کی ترجمان ہیں۔

ڈاکٹر فاطمہ حسن لکھتی ہیں کہ:

"ان کے اظہار میں یہ نسائی شعور نمایاں ہے اور جو کردار انھوں نے اپنی نظموں کے لیے منتخب کیے ہیں ان کی شناخت میں بھی یہ شعور ہی نمایاں ہے"6

عورت جسے ماں، بہن، بیوی، بیٹی کے خول میں ہی مقید کر دیا گیا تھا۔ نسائی شعور کی بدولت اسے اپنے باعقل ہونے کا شعور، اپنی ذات کے ہونے کا احساس اسے اس خول سے آزاد کرواتا ہے جس بنا پر اسے اپنے احساسات و جذبات اور حالات و مسائل کا ادراک ہوتا ہے اور اسے بیان کرنے کا سلیقہ عورت کو اسی شعور کی بدولت ہی ملا ہے۔ عورت اب اس خول سے نکل آئی ہے اور اپنے مسائل کو بیان کرنے لگی تاکہ ان کا حل تلاش کیا جا سکے۔ نجمہ منصور بھی ایسی ہی ایک نامور شاعرہ ہیں جنھوں نے عورت کو موضوع بنایا ہے اور اسے معاشرے میں درپیش مسائل جیسے بری نظروں کا سامنا، اپنی آبرو کے روندے جانے کا خوف غرض تمام مسائل کو اپنی شاعری میں بیان کیا ہے جسے صنفِ مخالف محسوس نہیں کر سکتے۔ جیسے ان کی ایک نظم 'چوگا چنتی چڑیا کے دکھ!' یہ نسائی حوالے سے ایک اہم ترین نظم ہے۔ جس میں ایسی عورت دکھائی گی ہے جس نے چار دیواری میں مقید ہونے کے بجائے چار دیواری سے باہر نکل کر دنیا کو دیکھنے کی جستجو کی ہے۔

"چوگا چنتی چڑیا کے دکھ!

چوگا چنتی چڑیا تیری پلکوں پر اگنے والے

خوابوں کے انکھوے

کون چن سکتا ہے!

تو تو یہ بھی نہیں جانتی

جانے کب کوئی میلی نظروں کا جال تجھ پر پھینکے

اور تو بے نور آنکھوں کے پنجرے میں قید ہو کر

تمام عمر کے لیے

چہکنا بھول جائے

چڑیا تو توپگلی ہے

چوگا چنتی خواب دیکھتی ہے

تجھے کیا معلوم ہے؟

کبھی کبھی خوابوں کی مانگ بھرنے کے لیے

آنکھوں کی ویران کھڑکیوں سے

ٹھٹھرتے ہوئے رَت جگے

بوند بوند دِل کی زمین پر ٹپکتے ہیں تو

وہاں دور دور تک اداسی بھرا جنگل

اگ آتا ہے

جس پر سوائے درد کے کوئی پھل نہیں لگتا

مگر بھولی چڑیا

تو یہ سب نہیں جانتی

شاید کبھی جان بھی نہیں سکتی!!"7

نجمہ منصور نے اپنی اس نظم میں نہایت سنگین مسئلے کی نشاندہی کی ہے۔وہ عورت کو کہیں چڑیا اور کہیں تتلی کہہ کر پکارتی ہیں۔ کیوں کہ چڑیا اور تتلی بھی عورت کی طرح نرم و نازک اور کمزور ہیں۔ عورت کے خوبصورتی کے معیار کو نزاکت سے مشروط کر کے اسے نفسیاتی ضعف میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ اسے بارہا اس کے جسمانی و ذہنی طور پر کمزور ہونے کا احساس دلایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عورت جب چار دیواری سے باہر قدم بڑھانے کا سوچتی ہے تو اس کے ذہن میں اٹھنے والے مختلف سوالات اسے پریشان کر دیتے ہیں۔ وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتی ہے کہ وہ اکیلی چار دیواری سے باہر نکلنے پر محفوظ نہیں رہ سکتی ہے۔ وہ کمزور اور بے بس ہے جو اپنا دفاع کسی صورت بھی نہیں کر سکتی ہے۔ پدری نظام میں عورتوں کے دکھ اور مسائل کو کوئی سمجھ اور بیان نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ یہ معاشرہ مردوں کا معاشرہ ہے۔ اس لیے نجمہ عورت کو مخاطب کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ تم آنکھوں میں ان گنت خواب سجائے ان کی تکمیل چاہتی ہو لیکن یہ نہیں جانتی کہ کب یہ خواب تمہاری آنکھوں

سے نوچ ڈالے جائیں، کب یہ خواب ناسور زخم بن جائیں اور ان کی تکمیل کے عوض تمہیں بھاری قیمت چکانا پڑے۔وہ یہ بھی کہتی ہیں کہ تو کتنی نادان ہے یہ بھی نہیں سمجھتی کہ نجانے کب تو کسی میلی آنکھ کی زد میں آجائے اور تیری یہ خوابوں سے بھری آنکھیں بے نور ہو جائیں۔تو ان سب باتوں سے بے خبر اور یہ نہیں جانتی کہ آنکھوں کی اس ویرانی کے سبب دل میں اداسی کا جنگل اگ آتا ہے اور پھر سوائے دکھ، تکلیف اور بے بسی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا ہے۔یہ تمام تکالیف تیری چہچہاہٹ کو ختم کر دیں گی۔ نجمہ منصور کی اس نظم میں نسائی شعور نظر آتا ہے۔وہ اپنے ارد گرد ہونے والے حالات سے باخبر ہیں۔اس نظم میں انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ کوئی عورت کے دکھ درد کو محسوس نہیں کر سکتا۔اس کے خوابوں کی تکمیل کے لیے آواز اٹھانے والا کوئی نہیں ہے۔وہ کسی بھی انجان لمحے میں کسی میلی آنکھ کا شکار ہو سکتی ہے اور خوابوں کو پورا کرنے کی جستجو میں انجان راہوں پر قدم رکھتی کسی کے جال میں قید ہو سکتی ہے۔

"تم تو بس!
تم نے کبھی
انتظار سے بھری آنکھیں دیکھی ہیں
نہیں دیکھی!
میں نے دیکھی ہیں
تمہیں پتہ ہے انتظار کا درد؟
شریانوں میں گھل کر سارے بدن کو
جب نیلا کر دیتا ہے
تو بدن کے مرنے سے پہلے ہی
آنکھیں مر جاتی ہیں
مگر تمہیں پتہ ہے انتظار سے بھری آنکھیں
مر کر بھی مرتی نہیں ہیں
بس دھند اور بادلوں کے سنگ ہو لیتی ہیں

اور تم

تم یہ سب دیکھ نہیں سکتے

دیکھنا تو دور کی بات

محسوس بھی نہیں کر سکتے!

انتظار، تنہائی، خوف اور اداسی جیسے لفظ

تمہاری ڈکشنری میں سرے سے موجود ہی نہیں

تم تو بس۔۔۔۔۔؟"8

اس نظم میں نجمہ منصور عورت کی لاحاصل خواہشات، اس کے دکھ اور انتظار کو موضوع بناتے ہوئے کہتی ہیں کہ وہ تمام عمر اپنی خواہشات اپنے خواب پورے کرنے کے انتظار میں گزار دیتی ہے۔ وہ ان لمحات کے انتظار میں ہے جب اس پر حاکمیت کرنے والوں کی سوچ بدلے گی اور اسے ایک انسان کا درجہ دیا جائے گا۔ اس کا یہ انتظار ایک طویل مدت اختیار کر چکا ہے۔ وہ اپنے احساسات و جذبات کو کسی سے بیان نہیں کر سکتی کہ وہ اس دنیا کو تسخیر کرنا چاہتی ہے۔ لیکن اس کے چار دیواری سے نکلنے کے بعد کے رویے، نظروں اور سلوک کا خوف ہے کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔ یہ تمام چیزیں اس کے اندر نامحسوس اداسی کی کیفیت کو پیدا کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نجمہ کہتی ہیں کہ کوئی دوسرا اس کے انتظار کا یہ دکھ نہیں سمجھ سکتا۔ آخر اختتام پر وہ انتظار کرتے کرتے دھند اور بادلوں کے دیس سدھار جاتی ہے۔ لیکن انتظار کی اذیت اس کی آنکھوں میں مرنے کے بعد بھی دیکھائی دیتی ہے۔ لیکن عورت کے علاوہ اس تکلیف کو کوئی محسوس نہیں کر سکتا۔ کیونکہ عورت ان سے دوچار ہوتی ہے اس لیے کوئی دوسرا اس کی یہ تکلیف، انتظار، اداسی اور خوف کو محسوس نہیں کر سکتا۔ نجمہ کے احساسات و جذبات کو ان نظموں میں باخوبی محسوس کیا جا سکتا ہے۔ نجمہ منصور نے اپنے احساسات کو نظموں کی زبان میں بیان کیا ہے۔

"پگلی چڑیا

خالی گھونسلے میں

اکیلی چڑیا

زار زار روتی رہی

گھونسلا آنسوؤں سے بھیگ گیا

رات آئی تو

پگلی چڑیا

اپنے ہی آنسوؤں میں ڈوب چکی تھی

پروں کا ڈھیر بن چکی تھی!"9

نجمہ منصور کی نظموں نسائی حسیات کا اظہار نظر آتا ہے۔ خداوند باری تعالیٰ نے نوع انسان یعنی مرد و عورت دونوں کو آزاد پیدا کیا ہے۔ لیکن اس معاشرے میں اسے انسان بھی نہیں سمجھا جاتا۔ وہ معاشرتی پابندیوں میں جکڑی ہوئی ہے۔ مشرقی عورت چپ چاپ جبر و قہر برداشت کرتے ہوئے اپنے آنسوؤں کو خود ہی پونچھتی ہے۔ نجمہ نے ان ہی نسوانی جذبوں کو مشرقی تناظر میں بیان کیا ہے۔ نظم "پگلی چڑیا" میں انہوں نے عورت کو معاشرے میں جن تکالیف اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ان کا تذکرہ کیا ہے۔ عورت گھر کی چار دیواری میں اکیلی دن بھر کی مصروفیات سے نبرد آزما ہوتی ہے۔ وہ اپنے احساسات اور پریشانیوں سے اکیلے لڑتی ہے۔ اسے اکیلے پن کے باعث وہ روتی، سسکتی، بلکتی رہتی ہے۔ کوئی اس کا غم بانٹنے والا نہیں ہے۔ آخر وہ ان مصائب سے لڑتے لڑتے تھک جاتی ہے اور پروں کا ڈھیر بن جاتی ہے۔ ان کا لہجہ عورت پر ہونے والے مظالم اور اس کی تکالیف کی وجہ سے رنجیدہ ہے۔

عورت کمزور، بے بس، مظلوم اور لاچار شخصیت کی حامل ہے جبکہ مرد کی شخصیت مضبوط اور حاکمانہ ہے۔ لیکن اب عورت اپنے حقوق کے لیے آواز اٹھانے لگی ہے۔ وہ بتانا چاہتی ہے کہ وہ اپنی قابلیت کے بل بوتے پر اس دنیا کو تسخیر کرنے کی اہلیت رکھتی ہے۔ اس لیے اس نے اپنے تشخص کی تلاش قدم اٹھایا ہے۔ نجمہ منصور اپنے نثری نظموں میں اس موضوع کو بھی بیان کیا ہے۔ وہ اس پدری نظام کی قید سے آزادی اور اپنی شناخت چاہتی ہے۔

نجمہ نے نرم اندازِ بیان اور دھیمے لہجے میں نسائی شعور کو اپنی نظموں میں جگہ دی ہے۔ انہوں نے اس نظم میں اس عورت کو اپنا موضوع بنایا ہے جو اپنی ذات کا شعور رکھتی ہے اور اپنی تلاش میں مصروف ہے۔ وہ

ایسی عورت کو ڈھونڈ رہی ہیں۔ جو اپنے خواب پورا کرنے کے لیے تگ و دو کر رہی ہے۔ لیکن اس کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی یہ حسرتیں اس کی آنکھوں میں دکھائی دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی کھوج میں ہے۔

"آزادی
اک ننھی چڑیا
پیڑ پر بیٹھی
بارش میں بھیگ رہی تھی
نرم پتیاں اس پر جھکی
اسے شبنمی آنچل اوڑھا رہی تھیں
اس لمحے میں نے سوچا
کتنی خوش بخت ہے یہ ننھی چڑیا
جو آزاد فضا میں
فقط خوشبو کا ہاتھ تھامے
خوش رنگ موسموں کے سنگ
بارش کی ساری محبتیں سمیٹے
اپنے سپنوں میں بھیگی
اطمینان سے بیٹھی ہے
اور میں؟؟"10

اس پدری نظام میں عورت بہت مظالم کا شکار ہے۔ اور مردوں کی حاکمیت کی وجہ سے اس کی قید میں ہے۔ اسے آزاد فضا میں سانس لینے کے لیے اجازت درکار ہے جو اسے میسر نہیں ہے۔ اس لیے وہ فضا میں اڑتے آزاد پنچھیوں کو حسرت زدہ نگاہوں سے دیکھتی ہے۔ جو موسم کے رنگوں سے لطف اندوز ہوتے

ہیں۔ آزاد فضا میں اپنی مرضی سے سانس لیتے ہیں۔ اپنے سپنوں کو پورا کرنے کے لیے اڑان بھرتے ہیں۔ ان کی طرح عورت بھی اپنی آزادی چاہتی ہے اس معاشرے میں اپنے حقوق حاصل کر کے کسی قید کے بغیر زندگی گزارنا چاہتی ہے۔ وہ اپنی ذات کی نفی سے تھک گئی ہے اس لیے اب سوال اس کے اندر جنم لے رہے ہیں کہ یہ ننھی چڑیا آزاد فضا میں اپنی مرضی و منشا کے مطابق زندگی گزار سکتی ہے اور آخر میں کیوں یہ آزادی حاصل نہیں کر سکتی۔

نجمہ منصور ایک متوسط طبقے سے تعلق رکھتی ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ اس طبقے میں عورت پر لگنے والے پہروں کو شدت سے محسوس کرتی ہیں، اور انہیں اپنی نظموں کے ذریعے لفظوں کی زبان دیتی ہیں۔ نجمہ منصور کے مجموعے "میں سپنے اور آنکھیں" کے پیش لفظ میں ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں کہ:

> "نجمہ منصور کا تعلق اس متوسط طبقے سے ہے۔ لیکن اس نے اس طبقے کی حد بندیوں، امتناعات اور تعصبات کو بڑی شدت سے محسوس کیا ہے۔ یہ طبقہ نسوانی جذبات پر پہرے بیٹھانے پر مجبور ہے کہ صرف اسی طرح وہ اپنی مخصوص ثقافت اور 'اخلاقیات' کا تحفظ کر سکتا ہے مگر اس کے نتیجے میں گھٹن اور قید و بند کا احساس سپنوں کی بے محابا پرواز سے مملو ہو کر ایک ایسی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ جس میں روح کا سارا کرب شامل ہوتا ہے 'میں سپنے اور آنکھیں' میں شامل ادب پاروں کو روح کے اس کرب ہی نے انوکھا بنایا ہے، مثلاً 'آزادی' آپ پڑھیں تو آپ اسے پڑھیں تو آپ کو آزادی حاصل کرنے کا خواب متوسط طبقے کی معاشرتی بندشوں میں ملفوف، ایک درد انگیز جذباتی صورتِ حال پر منتج ہوتا صاف دکھائی دے گا۔" 11

نجمہ نے اپنی نظموں میں نسائی جذبات و احساسات کی عکاسی کی ہے۔ ان کی نظموں میں عورت کی آزادی کی خواہش، سپنوں کو پورا کرنے کی چاہ، معاشرے میں مسائل سے دوچار عورت، اپنی ذات کی تلاش میں سرگرداں عورت نظر آتی ہے۔

"کھوج

میں نے

اپنے اندر

برسوں سے بند دروازے کا

کھوج لگا لیا ہے

اب مجھے

اپنا آپ ڈھونڈنے میں

بہت زیادہ مشکل پیش نہیں آتی"12

نجمہ منصور کی یہ نظم ایسی عورت کے احساسات کی ترجمان ہے جو اپنی تلاش میں مصروفِ عمل تھی اور آخر کار اس نے اپنی پہچان پا لی ہے۔ ایسا معاشرہ جس میں عورت کو رشتوں کی بیڑیاں پہنا کر گھر تک محدود رکھا جاتا تھا، اسے باہر دنیا کو دیکھنے، اپنی خواہشات کی تکمیل کی اجازت نہ تھی۔ اس نے اپنی ذات کی تلاش شروع کی کہ آخر اس کا مقصدِ زندگی کیا ہے؟ کیا ایک عورت کو اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کا حق حاصل نہیں ہے؟ وہ ہمیشہ دوسروں کی مرضی سے زندگی گزارنے کی پابند کیوں ہے؟ جب عورت نے اپنی ذات کی تلاش کا سفر شروع کیا تو اس کوشش میں اسے ایک لمبے عرصے تک مشکلات، تنقیدی رویوں، بری نظروں غرض بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑا ہے، لیکن راستے کی یہ رکاوٹیں اس کی شناخت نہیں چھین سکتی۔ اس نے اپنا کھوج لگا لیا اس لیے اپنے آپ کو ڈھونڈنے میں بہت زیادہ مشکل پیش نہیں آئے گی۔

"سارے موسم دکھ کے موسم نہیں ہوتے

میں زخمی دل اور بھیگی آنکھوں کے ساتھ بھی

پر امید ہوں

جانتی ہوں کہ ایک دن میرے دروازے پر

وہی صدا، وہی خوشبو، وہی ہات

دستک دے گا

تو گزرے لمحوں کے سارے سپنے

ایک بار پھر دمک اٹھیں گے

میں آنے والی رتوں سے مایوس نہیں ہوں

مجھے معلوم ہے

سارے موسم دکھ کے موسم نہیں ہوتے

آنے والے دنوں، میں

ماضی کی پر کیف یادیں

اگر ملال بن کر

شاخِ بدن سے پھوٹیں

تو میں روؤں گی نہیں

بس کسی دور بستی کی جانب نکل جاؤں گی

ریت بھرے ہوا کے جھونکے کی طرح!!"13

تمام مسائل سے آشکار ہونے کے باوجود عورت پر امید ہے کہ وہ کہتی ہے کہ ایک دن ایسا بھی ضرور آئے گا جس دن اسے اپنا ایک مقام و مرتبہ مل جائے گا۔ اس کی لاحاصل خواہشات ضرور پوری ہوں گی۔ یہ دکھ کے موسم ایک دن گزر جائیں گے۔ عورت کو معاشرے میں جن تعصبات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان کو برداشت کرتے ہوئے اس کی نظریں اپنے مستقبل کے لیے پر امید ہے۔ اسے یقین ہے کہ یہ دکھ کے موسم گزر جانے کے بعد ایک نئی صبح اس کی منتظر ہو گی اور پھر وہ آگے بڑھتے ہوئے اپنے ماضی کو یاد کر کے روئے گی نہیں بلکہ نئے خوشگوار موسموں کو خوش آمدید کہے گی۔

ڈاکٹر وزیر آغا کہتے ہیں کہ:

"یوں لگتا ہے جیسے کوئی آنسوؤں میں مسکرا رہا ہے۔ بس یہی آنسو اور تبسم کا ملاپ ہے جو آجEMANCIPATION کے متوسط طبقے کی نسوانی مخلوق کا نوشتہ تقدیر بھی ہے اور اس کی رہائی یعنی کے سلسلے کا پہلا قدم بھی۔"14

سدرہ سحر عمران کی نثری نظموں میں نسائی حسیات شعور کا جائزہ:

سدرہ سحر عمران نے معاشرے کے تلخ حقائق کو اپنی نظموں میں بیان کیا ہے۔ وہ سب کو ساتھ مساوی حقوق دینے کی بات کرتی ہیں اور اس نام نہاد عزت دار معاشرے کی حقیقت کو آشکار کرتی ہیں۔ وہ اپنی آواز کو دباتی نہیں بلکہ اپنی نظموں کے ذریعے اپنی آواز بلند کرتی ہیں۔

ڈاکٹر صلاح الدین درویش کہتے ہیں کہ

"سدرہ سحر عمران کیلئے مذہب، ثقافت، اقدار، روایات، جدت اور طبقاتی نظام کوئی زیادہ اہمیت کے حامل باتیں نہیں ہیں۔ اس کے لئے اہمیت اس بات کی ہے کہ جس مذہب، ثقافت، جدت، قدامت اور طبقاتی نظام میں انسان بالخصوص پاکستانی مسلمان بستے ہیں اور ان سب کی بنیاد پر جس صالح معاشرے کے قیام کا دعویٰ کرتے ہیں ان کے اعمال کی دنیا ان سب سے قطعی مختلف ہے۔ مذہب کا نام لیتے ہیں لیکن مذہب لوگوں کے لیے ایک نمائشی ملبوس کے سوا کچھ نہیں۔ جس ثقافت پر نازاں ہیں وہ ثقافت ان کی درندگی کو انسانیت میں بدل دینے میں بری طرح ناکام ہے۔ جس جدت کو اپنایا گیا ہے اس جدت کے پسِ پردہ فرسودہ اور بیمار ذہنیت قلانچیں بھرتی پھرتی ہے۔ جس قدامت کو اپنا جرم قرار دیتے ہیں اس قدامت کی انسانی قدریں انہیں چھو کر بھی نہیں گزریں۔ جن اقدار و روایات کے وہ امین بنے پھرتے ہیں وہ زورِ خطابت کو مہمیز دینے کے سوا کچھ نہیں اور جس طبقاتی نظام کو ختم کرنے کے دعوے اب غیر مارکسی بھی کرتے پھرتے ہیں وہ خود حکمران اور بالادست طبقات میں شمولیت کیلئے بے چین و بے قرار ہیں۔ اقوالو افعال کے اس کھلے اور تلخ ترین تضادات کو سدرہ سحر عمران نے اپنی نظموں کا موضوع بنایا ہے۔"15

سدرہ کی نظموں میں نسائی شعور جابجا نظر آتا ہے۔ وہ عورت پر ہونے والے ظلم کے خلاف لفظوں کے موتی اپنی نظموں میں پروتی ہیں۔ وہ عورت کے استحصال، رشتوں کی ڈور میں بندی عورت، اپنی ذات کی تلاش اور زبردستی کی شادی کو اپنی نظموں کا موضوع بناتی ہیں۔

"تیسرے درجے کی محبت

میں نے محبت کے لئے

اپنے دل میں کوئی فالتو کمرہ نہیں بنوایا

میں خوابوں کو اپنی آنکھیں

کرائے پر نہیں دے سکتی

کیوں کہ میں جانتی ہوں

ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت

تمہیں میری زندگی میں شامل کیا جائے گا

اور بالکل غیر ارادی طور پر

تمہیں مجھ سے محبت ہو گی

(ہاہا۔۔۔ہاہا۔۔۔۔۔۔)

یقین کرو

مجھے اس بات پر بالکل ہنسی نہیں آ رہی

جو میری خوش قسمتی سے منسوب کی گئی

اگرچہ میرا مقدر

کسی گندے لطیفے سے کم نہیں

ہم جھوٹ موٹ کی محبت کرتے ہوئے

ایک دوسرے کا قیمتی وقت برباد کریں گے

اور وہ گھر

جہاں ہمیں نئی نسل کی بنیاد رکھنی ہے

ایک دن۔۔۔۔۔

شیکسپیئر کے فرضی مزار میں

تبدیل ہو جائے گا

اور ہم ساری زندگی اداکاری کر کے

ان بچوں کا پیٹ پالیں گے

جو تیسرے درجے کی محبت کا نتیجہ ہوں گے "16

سدرہ سحر عمران نے اپنی نظموں میں عورت کی مرضی کے بغیر اس کی شادی کر دینے کے موضوع کو بیان کیا ہے۔ انہوں نے اپنی نظم 'تیسرے درجے کی محبت میں' اس حقیقت پر گہرا طنز کیا ہے کہ عورت کی مرضی کے بغیر تاعمر اس پر ان چاہا رشتہ مسلط کر دیا جاتا ہے۔ پھر ساری زندگی وہ اس رشتے کا بوجھ ڈھوتے گزار دیتی ہے۔ سدرہ کی یہ نظم مشرقی عورت کی عکاسی کرتی ہے۔ جس کی خواہشات دوسروں کی مرضی کی بھینٹ چڑھ جاتی ہیں۔ وہ خاموشی کا قفل ہونٹوں پر لگائے اپنے ارمانوں کا قتل ہوتے دیکھتے ہوئے بھی کچھ کہنے کی جسارت نہیں کر سکتی ہے۔ کیوں کہ اپنی خواہشات بتانے پر اسے منہ زور اور بد چلن خیال کیا جاتا ہے۔ اسے باپ کی عزت کا واسطہ دے کر اپنی مرضی کے ان چاہے رشتے میں باندھ دیا جاتا ہے۔ عورت اس دلخراش حقیقت کو تسلیم کرتی ہے کہ وہ ساری عمر اس جھوٹی محبت کا بوجھ اٹھائے گی جو اس پر مسلط کر دی گئی ہے۔ اس جھوٹی محبت سے نئی نسل کی بنیاد رکھی جائے گی۔ سدرہ نے اپنی نظم کے ذریعے اس تیسرے درجے کی محبت پر طنز کرتے ہوئے مشرقی عورت کے حق کے لیے احتجاجی رویہ اپنایا ہے کیونکہ وہ جانتی ہیں کہ عورت ایک الگ وجود ہے وہ کوئی جانور نہیں جسے کسی بھی کھونٹے سے باندھ دیا جائے۔ بجائے اس کے کہ وہ تاعمر محبت کی اداکاری کرتے ہوئے نئی نسل کو پروان چڑھائے اسے اس کی مرضی کے مطابق شادی کا حق ملنا چاہیے۔

سدرہ اپنی نظم 'اضافی رشتوں کا بوجھ' میں عورت کو رشتوں کے بوجھ میں قید کر کے اس کی ذات کی نفی کیے جانے کو موضوع بناتی ہیں۔ 'اضافی رشتوں کا بوجھ'

"اضافی رشتوں کا بوجھ

میں تمہارا وہ وقت ہوں

جو ضائع کر دیا گیا

رشتے بنانے کی خودکار مشینوں میں

اور تم نے قید کر رکھا ہے مجھے

اس گھڑی کے سنہری ڈائل میں

جو لکڑی کے منقش دراز میں

مری پڑی ہے"17

سدرہ سحر عمران نے اس نظم میں مشرقی نسائیت کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ انہوں نے عورت کو ایسے وقت سے تشبیہ دی ہے جو رشتے بنانے اور نبھانے میں ضائع کر دیا گیا ہو۔ عورت ماں، بیوی، بیٹی جیسے رشتوں میں قید ہے اور انہیں نبھانے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتی ہے۔ وہ مرد کو جنسی تسکین پہنچاتی ہے، بچے پیدا کر کے اپنے پیروں میں مزید رشتوں کی زنجیر باندھ لیتی ہے۔ وہ دوسروں کی خوشی کا خیال رکھنے میں یعنی اپنے شوہر، بچوں اور گھر کو سنوارنے میں خود کو فراموش کر بیٹھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان رشتوں کی قید میں اس کی اپنی خواہشیں دم توڑ دیتی ہیں اور اس دوران اس کی اپنی ذات کہیں گم ہو جاتی ہے۔ وہ ایسے وقت کی مانند بن جاتی ہے جسے ضائع کر دیا گیا ہو۔

'مجھے پہلی صف کے لئے چنا گیا تھا'

"میں ایسی مٹی کا حاصل ہوں

جو چٹانیں ادھیڑ کر ناخنوں میں جمع کی گئی

اور جہنم کی آگ پر پکائی گئی

مجھے چاک پہ رکھنے سے پہلے

تیری انگلیوں نے زبان کھولی

اور سارے گناہ میری پوروں پہ رکھ دئے

جو چہرے پہ بیٹھ جاتا ہے

میں اس غبار کی چھبن سے تراشی گئی ہوں

میرے نقوش میں تیری ناجائز آنکھیں

آزمائش کے طور پہ رکھ دی گئیں

اور میں

تیری غیرت کی کلہاڑی کا

سنہرا پھل ہوں

خدا کہتا ہے

ہاویہ میری آنکھ سے شروع ہو کر

زبان کی نوک پہ ٹھہر جاتا ہے

لیکن اس کے باوجود

میں سورہ نساء میں پڑھی گئی ہوں

میں اس پھل کا ترش ذائقہ ہوں

جس نے آسمانی شجر سے

جنت اٹھا کر

میرے زمینی پیروں میں رکھ دی

اور تجھے میرا خدا بنا دیا

تو میرے ماتھے کی محراب سہی

لیکن میں تیری بارگا کی پچھلی صفوں میں

دوزانو ہو کر نہیں بیٹھ سکتی!!"18

سدرہ کی اس نظم میں شعور ذات، اپنی ذات کی تلاش کا موضوع نظر آتا ہے۔ انہوں نے عورت کو درپیش مسائل کا تذکرہ کیا ہے اور چٹان سے مراد اس کی مضبوطی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ عورت کا خمیر ایسی مٹی سے گوندھا گیا ہے جو بہت مضبوط ہے۔ لیکن اس معاشرے میں اسے بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ چاروں جانب سے گندی اور میلی نگاہیں اس پر مرکوز ہوتی ہیں۔ جن کی چھبن وہ دن رات محسوس کرتی ہے۔ سدرہ نے اس نظم میں اس عورت کو بھی موضوع گفتگو بنایا ہے جسے غیرت کے نام پر قتل کر دیا جاتا ہے۔ سدرہ کی نظموں میں عورت اپنے مسائل کی نشاندہی کرتے ہوئے اپنے حقوق آواز اٹھاتی ہے اور کہتی ہے کہ بے شک تجھے میرا خدا بنا دیا گیا لیکن میں 'مجھے پہلی صف کے لیے چنا گیا تھا' اس لیے میں اب تیرے ہر حکم

کے تابع ہو کر اور ہر بات پر سرِ تسلیم خم کر کے نہیں بیٹھ سکتی۔ عورت کی اپنی سوچ ہے، سب کو دیکھنے اور پرکھنے کا اپنا نظریہ ہے جو مرد سے انحراف کر سکتا ہے۔ ان کی شاعری میں ایسی عورت نظر آتی ہے جسے اپنے پہ ہونے والے مظالم کا ادراک ہے۔ وہ مزید یہ مردانہ اجارہ داری کو برداشت نہیں کر سکتی اسی لیے اپنے حق کے لیے بول پڑی ہے۔ اس نظم میں عورت کا احتجاجی رویہ نظر آتا ہے وہ کہتی ہے کہ وہ کسی کے زیرِ تسلط نہیں رہ سکتی۔

"یہ شہر بارش اغوا نہیں کر سکتا'

زرد مکئی جیسی شام

جب درختوں کے سوکھے سڑے ہاتھوں پر

آخری سانسیں گن رہی ہو گی

تم بادلوں کو اپنے شہر کی طرف ہانک کر لے جانا

اور کہنا۔۔۔ کوئی ہے؟

جو سورج کا گلہ کاٹ سکے

سورج۔۔۔ جو پاپ کارن کی طرح بھون دیتا ہے

ان لوگوں کو

جو شہر کی بدصورتی میں اضافہ کرتے ہیں

اور تم کیسے محبت کر سکتے ہو

بارش نام کی لڑکی سے؟

جو تمہارے شہر سے گزرنا نہیں چاہتی

اور تم مٹی کا تھیلا الٹ پلٹ کر اسے پچکارتے ہو

اپنی آنکھیں جھاڑ کر دیکھو

کوئی نہ کوئی قطرہ نکل ہی آئے گا

تم وہ قطرہ آسمان کی ساتویں کھڑکی سے چپکا دینا

شاید۔۔۔۔۔۔

خدا میکائیل کی طرف دیکھ کر مسکرا دے!!

(میکائیل۔۔۔جواب مجھ سے محبت نہیں کرتا)19

سدرہ کی نظمیں نسائی حسیات کی عکاسی کرتی ہیں۔اس نظم میں انہوں نے معاشرے میں عورت کے استحصال کو بیان کیا ہے۔ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو اپنی غلیظ حرکتوں کے باعث شہر کی بدصورتی میں اضافہ کرتے ہیں۔ یہ لوگ گناہ سرزد کرنے کے لیے سورج کے ڈھلنے کا انتظار کرتے ہیں تاکہ ان کے گناہ رات کی سیاہی میں چھپ جائیں اورانہیں کوئی ان کے گناہوں پر سرزنش نہ کر سکے۔ سدرہ نے ایسی عورت کو بیان کیا ہے جسے محبت کے فریب میں الجھانے کا مقصد محض جنسی خواہشات کی تسکین ہے۔

عذرا عباس کی نثری نظموں میں نسائی حسیات کے شعور کا جائزہ:

نسائی حسیات کے موضوع کو عذرا عباس نے بھی اپنی نظموں میں بیان کیا ہے۔ان کی نظموں میں ہمیں باغیانہ رویہ بھی نظر آتا ہے۔ کیونکہ وہ چپ رہنے کی بجائے آواز اٹھانے کو ترجیح دیتی ہیں۔

> "عورتوں کی جسمانی و ذہنی ساخت انہیں مردوں سے الگ ثابت کرتی ہے۔۔۔ آزادی کے گیت گاتے گاتے وطنی جذبات سے سرشار نظمیں لکھتے لکھتے اچانک عورت کو احساس ہوتا ہے کہ وہ ایک عورت ہے۔وہ ایک بیوی، بیٹی، بہن، محبوبہ اور ماں ہے۔ عورت جب اپنا یہ رول نبھاتی ہے تو پورے حوصلے کے ساتھ ان کرداروں کو نبھاتے ہوئے وہ مختلف جذبات سے گزرتی ہے۔اس کے احساس میں جو ارتعاش پیدا ہوتا ہے، وہ کبھی غزل کے شعروں میں ڈھلتا ہے، تو کبھی نظم کا روپ دھار لیتا ہے۔ کبھی گیت بن کر ابھرتا ہے، تو کبھی ماہیوں میں ڈھل جاتا ہے۔غرض عورت جب اپنی شاعری کے موضوعات منتخب کرتی ہے تو اکثر یہ موضوعات اس کے اپنے مزاج اور تجربات سے ہم آہنگ ہوتے ہیں اور اس کے تجربے کے عکاس بھی۔"20

عذرا کی نظمیں بھی انہی نسائی حسیات کی ترجمان ہیں۔ عورت کو گھر کی چار دیواری اور اس سے باہر قدم اٹھانے پر دونوں صورتحال میں بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے انہی درپیش مسائل کو عذرا نہایت عمدگی سے بیان کرتی ہیں۔

"اس زندگی کے بدلے
مجھے بنا دیا جاتا
بادلوں سے گرتی ہوئی ایک بوند
کسی سوکھی گھاس کے گھڑ پر
پڑا ہوا ایک تنکا
یا
بہتے ہوئے پانی کے آس پاس
جمی ہوئی کائی
اس زندگی کے بدلے
مجھے بنا دیا جاتا
ایک رات سے دوسری رات تک
پھیلا ہوا بے مزا ذائقہ
یا
وہ دانا جو کسی پرندے کی چونچ سے گر رہا ہو
اس زندگی کے بدلے
مجھے دیوار پر پھیلے ہوئے
سیلن زدہ دھبے میں بدل دیا جاتا
یا

پہاڑوں پر ٹھہری ہوئی برف

جو کسی نے نہ دیکھی ہو

یا

ایک تابوت جو کسی مرنے والے سے

خالی کرالیا گیا ہو"21

عذرا عباس نے زندگی کی تلخ حقیقت کو چکھا ہے۔ اور ان کو اپنا موضوع سخن بھی بنایا ہے۔ اس نظم میں انہوں نے عورت کی بے قدری کو بیان کیا ہے۔ وہ کہتی ہیں ایسے زندگی کی خواہش کوئی بھی نہیں رکھتا۔ ایسی زندگی سے بہتر یہ ہے کہ مجھے ایک تنکا، بارش کی ایک بوند، بہتے پانی کے آس پاس جمی کائی بنا دیا جاتا یا پھر دیوار پر پھیلے سیلن زدہ دھبے میں بدل دیا جاتا۔ وہ ایسی زندگی پر بے جان چیزوں کو ترجیح دیتی ہیں۔ عذرا ایسی زندگی سے بے زار نظر آتی ہیں جس میں ان کی اپنی شناخت کہیں کھو چکی ہے۔ وہ اپنی پہچان اپنی شناخت کی تلاش میں آواز بلند کرتی ہیں۔ کیونکہ وہ بے مقصد اور بے قدر زندگی نہیں چاہتی ہیں۔

"یہ صدی

یہ صدی فاصلوں کی صدی ہے

اس کا درد

بچہ پیدا کرنے والی عورت کے

دردوں سے بڑھ کر ہے

میں نے اپنے اجنبی خوابوں کو

ایک لباس پہنا دیا ہے

جس میں وہ دبکے رہتے ہیں

ایک راستا یہ بھی ہے

میں ان لوگوں کے منہ پر تھوک دوں

جو میری نفی کرتے ہیں

وقت ضائع کرتے کرتے میری عمر کے

کئی برس گزر گئے

مجھے اب تک کچھ نہیں آیا

اپنے شوہر سے

ہم بستری کرتے ہوئے بھی

مجھے اپنے پھوہڑ پن کا

احساس رہتا ہے

میری جلد

خاکستری ہو چکی ہے

میں اپنے خالی ڈرائنگ روم میں

سنی ہوئی دیواروں کو

گھورتی رہتی ہوں

میرے خوابوں کا سمندر

آج بھی بہت شور مچاتا ہے

اور سر سے اونچا ہو جاتا ہے

مگر وقت کی آوازیں

مجھے شب بخیر کہہ رہی ہیں

اور میری طرح بے ڈول ہو گئی ہیں

یہ سب کچھ بے کار ہے

گفتگو کے درمیان

خالی کرسیاں پڑی رہ جاتی ہیں

اور آوازیں باقی رہتی ہیں

محبت سے خالی

میرا جسم

کوئی گیت سننا چاہتا ہے

جو میرے جسم کے ریشے ریشے کو

جگادے

اور میں دنیا کی حاصل نہ ہونے والی

انتہائی لذت میں

اپنے ناخنوں تک ڈوب جاؤں"22

عذرا عباس نے اس نظم میں نسوانی مسائل، حالات و واقعات اور احساسات کو بیان کیا ہے۔ اس نظم میں ہمیں ایک گھریلو عورت اس کے گھر اور آنگن کی تصاویر نظر آتی ہیں۔ عورت کی زندگی کے اتار چڑھاؤ، حسین اور تلخ لمحوں کا اظہار ہے۔ اپنے شوہر سے ہمبستری کرتے وقت اسے اپنے پھوہڑ پن کا احساس ہوتا ہے کیونکہ اس کا ذہن اپنے خوابوں کے حصول میں الجھا ہوا ہے۔ وہ اپنی گھر ہستی کو سنبھالنے کی خاطر اپنے ارمانوں کا گلہ گھونٹ دیتی ہے۔ حالانکہ یہ اذیت اسے ہر لمحہ غم سے دوچار کرتی ہے۔ اس کا وجود اپنی شناخت چاہتا ہے۔

"یہ دماغ

یہ دماغ سوتا ہی رہتا ہے

میلے ملگجے کپڑوں کی گٹھری

ایک اونگھتا ہوا کاہل وجود

نشے کی عادت سے بے کار

یہ دماغ سوتا ہی رہتا ہے

اہم کانفرنسوں میں

خاص مجلسوں میں

کوئی حادثہ ہونے والا ہو

یا کوئی تبدیلی آنے والی ہو

کونے میں گمڑی مارے پڑا رہتا ہے

سوچے ہوئے ایک عرصہ ہوا"23

عذرا عباس نے عورت کی دن بھر کی مصروفیت کی تصویر پیش کی ہے کہ اس کے سپرد اتنے کام ہیں جس وجہ سے اس کا ذہن بنا کچھ سوچے سمجھے، بنا کسی سوال و جواب کے کاموں میں غرق رہتا ہے۔ اسے کسی موضوع پر گفتگو کرتے عرصہ بیت چکا ہے۔ اس کا دماغ ہر قسم کی سوچوں سے دور اپنے کام دھندے میں ایک عادت کی طرح مصروف ہر وقت سویا رہتا ہے۔

عارفہ شہزاد کی نثری نظموں میں نسائی حسیات کے شعور کا جائزہ:

عورت نے اپنے انصاف کے لیے ہر پلیٹ فارم پر آواز اٹھائی ہے لیکن اس کے باوجود آج بھی معاشرے میں عورت کو وہ مقام و مرتبہ نہیں مل سکا جس کی وہ حق دار ہیں۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کہتے ہیں:

> ان چالیس برسوں میں خواتین کی sensibility" نے بڑی عمدہ مثالیں قائم کیں۔ خواہ وہ فکشن ہو یا شاعری، ہم نے انھیں اپنی پوری انسانیت کا حصہ نہیں بنایا۔ وہ ابھی بھی 'حاشیہ' میں کھڑی ہوئی ہیں۔ عورت اب بھی بری طرح سماجی استبداد اور بے انصافیوں کی شکار ہے۔ جس طرح اور دوسرے دبے، کچلے ہوئے طبقات ہیں، ان میں سے ایک عورت بھی ہے۔ سماج میں صدیوں کی تاریخ میں پورے تہذیبوں Phallocentric کرہ ارض پر بشمول ہندوستان اور پاکستان کے معاشروں نے، کے زیر اثر تمام رویوں، فلسفوں، ادب اور فنون لطیفہ میں، جو مرد کی سوچ نے قائم کیے ہیں، کہیں نہ کہیں عورت ڈپریشن کا شکار ہے۔"24

عارفہ نے بھی نسائی حسیات کو صفحہ قرطاس پر منتقل کر کے نسائی شعور کی بیداری میں اپنا اہم کردار ادا کیا ہے۔ وہ اپنی نظموں کے ذریعے اپنے جذبات و احساسات کا بیان واضح انداز میں کرتی ہیں۔ پروین طاہر ڈاکٹر عارفہ کے بارے میں کہتی ہیں کہ

"ڈاکٹر عارفہ اقبال ایک مکمل حسیات کی عورت اور ایک گنوان شاعرہ ہیں جو اپنی حسیات کا اعلان پورے اعتماد سے ایک عورت کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک انسان کی حیثیت سے کرتی ہے۔ وہ دیگر شاعرات کی طرح اپنا نقطہ نظر ایک جھینپے اور سہمے ہوئے انداز سے نہیں کرتیبلکہ بڑے حوصلے اور ہمت سے ممنوعہ موضوعات کا تجزیہ کرتی ہے اور انہیں اپنی شاعری Provocation میں ایسے سلیقے اور سلجھے ہوئے انداز سے لاتی ہے کہ کہیں بھی جنسی پرستی تلذذیا کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔"25

عارفہ نے عورت کے جذبات و احساسات کو زبان دی ہے۔ وہ چاہتی ہیں کہ اسے بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے۔

"ایک دن منایا جانا چاہیے!
ایک دن منایا جانا چاہیے میرا بھی
سانس کی بے آواز لہروں پر تیرتی،
زندگی کے ساتھ!
بے نشان ساحلوں پر بکھری،
سیپیوں کے ہمراہ!
سرد موسموں میں
کوچ کر جانے والے پرندوں کے سنگ!
اَن جانی سرزمینوں میں
کسی اَن دیکھے رنگ کے
پھول کی پتیوں سے پھوٹتی

پر اسرار خوشبو کے بازاروں میں !

تم مناتے ہو مدر ڈے

اور حصار میں رہتے ہو

مامتا کے نور کے !

تم مناتے ہو فادر ڈے

اور گھنے درختوں کی چھاؤں

محسوس کرتے ہو !

تم مناتے ہو ویلنٹائین ڈے

اور اپنی محبوبہ کے سامنے

سرخرو ٹھہرتے ہو !

تمھارا دل طواف کرتا رہتا ہے

بے پایاں محبتوں کا

اور تم ہر محبت کا دن مناتے ہو !

دکانیں سج جاتی ہیں

رنگ برنگے پھولوں سے

چاکلیٹوں اور میٹھے کیک سے

قیمتیں مختلف سہی

مگر اظہار کی سکت

تمھاری قوتِ خرید میں رہتی ہے !

میں تمھارے باپ کی محبت کا ہر رنگ،

ہر ذائقہ جانتی ہوں !

ایک دن منایا جانا چاہیے میرا بھی!

مجھے معلوم ہے

تم یہ دن منا سکتے ہو مگر یہ دن سرایت کر گیا ہے

سارے دنوں میں

تم اسے ڈھونڈ نہیں سکتے!

تم ایک دن مختص بھی کر دو

تو اس کا عنوان

تمھارے اظہار کی سکت سے باہر ہے!"26

عارفہ شہزاد بھی اپنی نظموں میں عورت کی شناخت اس کے حقوق کی بات کرتی نظر آتی ہیں۔عارفہ اپنی نظموں میں اسی آواز کو بلند کرتی نظر آتی ہیں کہ عورت ایک باشعور ہستی ہے۔اس کا ماں، بیٹی، بیوی ہونے کے علاوہ بحیثیت فرد ایک الگ وجود ہے جسے تسلیم کیا جانا چاہیے۔اپنی نظم "ایک دن منایا جانا چاہیے" میں وہ اسی موضوع کو لکھ رہی ہیں کہ ہر دن کو بڑے جوش و خروش سے منایا جاتا ہے۔زندگی کو بھرپور انداز میں سراہا جاتا ہے۔ہر دن کو ماننے کے لیے اس دن کی مناسبت سے پھول، رنگوں، خوشبوؤں کا استعمال کیا جاتا ہے۔بازار ان کی خوشبو سے مہک اٹھتے ہیں۔فادر ڈے مناتے ہوئے تم اپنے آپ کو محفوظ سائبان تلے محسوس کرتے ہو۔اپنی محبوبہ کو ویلنٹائین ڈے پر پھولوں کا تحفہ دیتے ہو۔تم محبت سے بھرپور ہر دن کا استقبال کرتے ہو۔ عورت محبوبہ، بیوی، بیٹی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عورت بھی ہے۔اس کی ایک الگ شناخت ہے۔اس لیے اسی طرح میرا بھی ایک دن منایا جانا چاہیے۔لیکن تم میرے لیے کوئی دن مختص کر بھی دو تو اس کا عنوان تمہارے اظہار کی سکت سے باہر ہے کیونکہ تم اس شناخت کو گم ہی رکھنا چاہتے ہو۔

"لفظ اور لمس میں حنوط

مجھے لفظوں میں قید کر دیا گیا

اور میرے تابوت میں

بوسوں کی کیلیں گاڑ کر

مجھے انتظار کے میوزیم میں سجا دیا گیا

لوگ جوق در جوق دیکھنے آرہے ہیں
چہ میگوئیاں جاری ہیں
سب جاننا چاہتے ہیں
میری کہانی
مگر مجھے یہاں لا کے رکھنے والا
میری تعارفی تختی لگانا ہی بھول گیا!"27

عورت کے گرد لمس اور لفظوں کا جال بن کر اس کی قسمت میں انتظار لکھ دیا گیا۔ اسے اس کی شناخت کے ملنے کا انتظار اس کی لاحاصل خواہشات کے پورا ہونے کا انتظار۔ آج کی عورت اپنے تشخص کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ اس کی پہچان ہمیشہ مرد کے ساتھ منسوب ہے اس کی اکیلے باحیثیت عورت کوئی وجود کیوں نہیں، سب اس کی ذات کو تعجب اور حیرت سے کیوں دیکھتے ہیں؟ اس پر آوازیں کسیں جاتی ہیں۔ اس کی ذات کو دیکھ کر چہ میگوئیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ برسوں سے اس کا وجود عزت، خوف کے ایک تابوت میں قید کر دیا گیا۔ کوئی اس کا تعارف نہیں جانتا اس لیے وہ خود اپنا تعارف پیش کرنے کے لیے اپنی تلاش کر رہی ہے تاکہ اس کی اپنی پہچان اور اپنی ایک شناخت ہو۔ وہ کسی اور کی تعارفی تختی لگانے کی محتاج نہ ہو۔

"دھیکیلو مجھے
دھیکیلو مجھے سرد خانے میں
واپس دھیکیلو
مری روح
کیسی تپش سے پگھلنے لگی ہے
اسے تم ابھی
اِس دہکتے ہوئے،
سرخ انگار سانچے سے باہر نکالو
اسے پھر
اسی ٹوٹے برتن میں ڈالو
جو میرا تو ہے نا!
میں اِس سرد خانے کے

سب طاقچوں سے ہوں مانوس
دیواریں سب دیکھی بھالی ہیں میری
مجھے تم کسی سمت
دیوار سے اب لگا دو
بجھا دو یہ انگارے
جو میرے تلووں کے نیچے دھرے ہیں
جلے پاؤں کی ایک بلی کی مانند
کب تک پھروں میں
دھواں اپنی آنکھوں میں کب تک بھروں میں؟
دھکیلو مجھے سرد خانے میں
یا پھر
کوئی برف کی سل دھر و جسم و جاں پر
اکھیڑ و یہ بل کھاتی ساری رگیں
میرے اعصاب کی سب طنابیں ابھی کھینچ ڈالو
مجھے درد کے ایسے جھنجٹ سے، باہر نکالو
نہیں تو
مجھے اپنے لفظوں کے جنگل میں
واپس بلا لو
بھٹکتی رہی ہوں
بھٹکتی پھروں گی۔۔۔!"28

عارفہ نے عورت کو اس کی ذات کی پہچان کرواتے ہوئے ظلم و زیادتی کے خلاف احتجاجی رویہ اپنایا ہے۔ عورت جسے ہمیشہ مرد کے حوالے سے ماں، بہن، بیوی، بیٹی، محبوبہ کے نام سے جانا جاتا تھا۔ وہ سوچ و بچار کرنے لگی ہے اور اپنے شعور کی روشنی میں اپنے مسائل کے حل کی تلاش میں کوشش کر رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شاعرات نے نسائیت کے موضوع کو اپنی شعری تخلیقات میں بیان کیا ہے۔ اب عورت اپنے پر ہونے والے مظالم کی بھٹی میں جل کر کندن بن چکی ہے۔ وہ دوسروں کے رحم و کرم پر زندگی گزارنے کے بجائے اپنی ذات کو فوقیت دیتی ہے۔ اس

نظم میں ایسی عورت نظر آتی ہے جو آگہی کی تلاش میں ہے۔ وہ جلے پیر کی بلی کی مانند اپنی اس تکلیف سے رہائی حاصل کرنے کی خاطر کوشش کرتی ہے۔ وہ مزید ان تکالیف کو برداشت نہیں کر سکتی اور ان کے خلاف احتجاجی رویہ اپناتی ہے۔ وہ اپنی شناخت کو حاصل کرنے کے لیے ہر کٹھن راستے سے گزرنے سے بھی گریزاں نہیں ہے۔ عارفہ کی یہ نظم نسائیت کی بھرپور آواز بن کر ابھری ہے۔ عورت نے اپنے جذبات و احساسات کو بیان کیا ہے کہ وہ کسی اور کے سانچے میں ہر گز نہیں ڈھل سکتی۔ اس کا اپنا ایک الگ وجود ہے، اپنی ذات اپنی پہچان ہے اس لیے وہ اپنی شناخت کو حاصل کرنے کی تگ و دو کر رہی ہے۔ اگر اسے اس کی شناخت نہ دی گئی تو وہ اپنی شناخت کے لیے آواز اٹھاتی رہے گی اور ہمیشہ اپنی ذات کی تلاش میں بھٹکتی رہے گی۔

"میں کیا اوڑھوں؟
تم نے کیا پہنا ہوا ہے؟
بساند بھرا قہقہہ؟
مت ہنسو!
اجنبی قہقہے، کراہنے لگتے ہیں
اس میں ایک کھوکھلے قہقہے کا سر
سب سے اونچا ہے!
ارادتاً لڑھکائے ہوئے قہقہے
سماعت کا راستہ نہیں بھولے
مگر پچھلے برس یا اس سے بھی پچھلے برس
کیا ہوا تھا؟ یاد نہیں۔۔۔!
بس ایک ہیولیٰ سا تھرتھراتا رہتا ہے
جاگتے ہیں ہونٹ
نہیں جاگتی مسکراہٹ!

سنو!
چھوٹی چھوٹی باتوں میں کیا رکھا ہے؟
خوابوں کی کھرچن

ناخنوں میں پھانس کر چبھنے لگے تو
نیند کا ذائقہ بھول جاتا ہے
اور نیند میں دیکھے ہوئے خواب
ہر روز تکرار نہیں کرتے

کھلی آنکھ میں خواب دھرے رہو
اور کچھ بھی مت دیکھو کہ سامنے کیا ہے؟
ارد گرد کی دیواروں کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا
جب تک درمیان کے رستے پر
بار بار قدم نہ دھرا جائے!
اندر کی آواز دبانے کے لیے،
رات کی کھڑکی سے باہر
خلا میں قدم دھرے
ساکت کھڑے رہنا پڑتا ہے، تمھاری طرح!
تم جو چاہو۔۔۔ کر سکتے ہو!
شام کا ملگجا، نگل سکتے ہو
زمہریری رات، جھیل سکتے ہو
جلتا دن اوڑھ سکتے ہو
میں کیا اوڑھوں؟"29

اس نظم میں عارفہ ایسی عورت کی زبان بنی ہیں جس کی آنکھوں میں بہت سے خواب ہیں جنہیں وہ پورا کرنا چاہتی ہے۔ وہ مرد کے شانہ بشانہ چلنا چاہتی ہے۔ آزادی سے تمام وہ حقوق حاصل کرنا چاہتی ہے جو ایک مرد کو حاصل ہیں۔ لیکن اِس کے لیے اسے جہد مسلسل سے گزرنا پڑ رہا ہے۔ اس کے خوابوں کی کھرچن اسے اضطراب میں مبتلا کر رہی ہے۔ وہ عورت کے ساتھ برتے جانے والے سلوک کی مزاحمت کرتی نظر آتی ہیں۔ ان کے لہجے میں کہیں باغیانہ انداز تو کہیں اپنے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں پر شکایت آمیز رویہ نظر آتا ہے۔

حوالہ جات

1۔ فیروز الدین، مولوی، (مرتبہ) فیروز الغات اردو، ظہیر سلام پرنٹرو پبلشر، ۲۰۰۵ء، ص600

2۔ ایضاً

3۔ پروفیسر خواجہ محمد اکرم الدین، اکیسویں صدی کا نسائی ادب، ورلڈ اردو ایسوسی ایشن نئی دہلی (انڈیا)، 2022، ص95، 94

4۔ انور پاشا، تانیثیت اور ادب، عرشیہ پبلی کیشنز، ص162

5۔ ایضاً

6۔ فاطمہ حسن، ڈاکٹر، اردو شاعرات اور نسائی شعور، انجمن ترقی اردو (ہند)، 2022، ص93

7۔ نجمہ منصور، کلیات نجمہ، منصور بک کارنر، جہلم پاکستان، 2012، ص29

8۔ ایضاً، ص49

9۔ ایضاً، ص119

10۔ ایضاً، ص360

11۔ ایضاً، ص352

12۔ ایضاً، ص105

13۔ ایضاً، ص373

14۔ ایضاً، ص354

15۔ سدرہ سحر عمران، موت کی ریہرسل، فنکشن ہاؤس، لاہور، 2020، ص19

16۔ سدرہ سحر عمران، ہم گناہ کا استعارہ ہیں، فنکشن ہاؤس، لاہور 2016، ص56، 55

17۔ ایضاً، ص125

18۔ ایضاً، ص164،165

19۔ ایضاً، ص23،24

20۔ شہناز نبی، ڈاکٹر، تانیثی تنقید، کلکتہ یونی ورسٹی، ص16،17

21۔ عذرا عباس، میز پر رکھے ہاتھ، کلاسک پبلشرز، کراچی، 1998، ص18

22۔ ایضاً، ص22،23،24

23۔ ایضاً، ص10

24۔ فاطمہ حسن، ڈاکٹر، اردو شاعرات اور نسائی شعور، انجمن ترقی اردو (ہند)، 2022، ص20

25۔ رضیہ پروین، ڈاکٹر عارفہ شہزاد کی علمی و ادبی خدمات (تحقیقی مقالہ)، یونیورسٹی آف سرگودھا کمانڈ کالج ساہیوال، 2017، ص27

26۔ عارفہ شہزاد، خود کلامی کا روزنامچہ، پبلشرز، ص168،169،170

27۔ عارفہ شہزاد، "عورت ہوں نا"، عکس پبلیشرز، ص54

28۔ ایضاً، ص22،23

29۔ عارفہ شہزاد، خود کلامی کا روزنامچہ پبلیشرز، ص172،173،174

باب سوم:

منتخب شاعرات کی نظموں میں نسائی کیفیات کا جائزہ

احساسات و جذبات کی وجہ سے کسی ذی نفس پر طاری ہونے والی حالت کیفیت کہلاتی ہے۔ عورت نے قلم اٹھایا تو صرف سیاسی، سماجی اور عشقیہ جذبات کو ہی زبان نہیں دی بلکہ معاشرے میں ظلم و بربریت کی چکی میں پستی عورت کے لیے بھی آواز اٹھائی۔ اپنی نظموں میں ان مسائل سے دوچار عورت کی تصویر منظر عام پر پیش کی۔ اس پدرانہ معاشرے میں عورت کو اس کا حق ملنا ایک دشوار مرحلہ ہے کیونکہ اس کے پاؤں میں رشتوں اور روایتوں کی بیڑیاں ڈال کر اسے قید کر دیا گیا ہے۔ اب وہ اپنے حقوق کے لیے آواز اٹھا رہی ہے لیکن اس کا یہ عمل سرکشی اور ناقابلِ برداشت لگ رہا ہے۔ کشور ناہید کہتی ہیں کہ

> "میرے ہونٹ تمہاری مجازیت کے گن گا گا کر خشک ہو بھی جائیں تو بھی تمہیں یہ خوف نہیں چھوڑے گا / کہ بھول تو نہیں سکتی ہے / مگر چل تو سکتی ہوں / میرے پیروں میں زوجیت اور شرم و حیا کی بیڑیاں ڈال کر / مجھے مفلوج کر کے بھی / تمہیں یہ خوف نہیں چھوڑے گا کہ میں چل تو نہیں سکتی / مگر سوچ سکتی ہوں / آزاد رہنے زندہ رہنے اور مرے سوچنے کا خوف / تمہیں کن کن بلاؤں میں گرفتار رکھے گا۔"1

غم و خوشی میں خود پر طاری کیفیات کو الفاظ کے خوبصورت موتیوں میں ڈھال کر قارئین کے سامنے خاص اور حساس موضوع کی جانب توجہ مبذول کی۔ نسائی کیفیات سے مراد وہ کیفیات ہیں جو عورت پر اپنے جذبات کو محسوس کرتے ہوئے طاری ہوتی ہیں۔ یہ کیفیات دکھ، درد، تنہائی، خوشی، غمی کسی بھی صورت میں اترتی ہیں۔

نجمہ منصور کی نظموں میں نسائی کیفیات:

نجمہ منصور کی نظموں میں نسائی کیفیات کا اظہار نظر آتا ہے۔ ان کیفیات سے دوچار ہوتے ہوئے وہ رنجیدہ بھی ہوتی ہے۔ ان کی نظموں میں اداسی، حیا، آنسو غرض ہر رنگ نظر آتا ہے۔

پروفیسر یوسف خالد کہتے ہیں کہ:

"نجمہ منصور کی نظمیں لطیف احساسات اور کومل جذبوں کی نمائندہ نظمیں ہیں۔ان نظموں میں کہیں دکھ بولتا سنائی دیتا ہے تو کہیں تنہائی اور دیگر کیفیات بولتے ہوئے کرداروں کی صورت میں قاری سے ہم کلام ہوتی ہیں۔ محبت، دکھ، جدائی اور اداسی کی کیفیات سے جڑی یہ نظمیں قاری کے دل میں اترتی جاتی ہیں۔"2

یہ تمام کیفیات عورت کی کیفیات ہیں جنہیں نجمہ منصور نے اپنی نظموں کے ذریعے زبان دی ہے۔

"میرے لیے ایک نظم
میری نظمیں!
کب سے اس سانولی لڑکی کو ڈھونڈ رہی ہیں
جو میری بے ترتیب نیندوں سے
اپنے خواب چرا کر لے گئی ہے
اور وہ خواب
اپنی آدھی جاگی آدھی سوئی آنکھوں میں رکھ کر
کہیں کھو گئی ہے
اب میں، میری نظمیں اور میری نیندیں سب مل کر
اس سانولی لڑکی کو کھوج رہے ہیں!!3

نجمہ نے نرم اندازِ بیان اور دھیمے لہجے میں نسائی شعور کو اپنی نظموں میں جگہ دی ہے۔انہوں نے اس نظم میں اس عورت کو اپنا موضوع بنایا ہے جو اپنی ذات کا شعور رکھتی ہے اور اپنی تلاش میں مصروف ہے۔وہ ایسی عورت کو ڈھونڈ رہی ہیں۔جو اپنے خواب پورا کرنے کے لیے تگ و دو کر رہی ہے۔

"نجمہ منصور نے وفا شعار اور مظلوم عورت کو نہ صرف قوت گویائی دی ہے بلکہ اسے احتجاج کا انداز بھی سکھایا ہے تاہم یہ نجمہ کا کمال ہے کہ اس نے آج کی عورت کے ہاتھوں میں احتجاجی کتبہ تو پکڑایا ہے لیکن علم بغاوت نہیں تھمایا۔۔۔نجمہ منصور معاشرتی ناہمواریوں، ناانصافیوں، چیرہ دستیوں، منافقتوں، کدورتوں اور نفرتوں پر نہ صرف کڑھتی

ہیں بلکہ رد عمل کے طور پر اپنے اندر کے کرب کو لفظوں کا جامہ پہنا کر کاغذ پر بکھیر دیتی ہیں۔"4

اس نظم میں مشرقی نسائیت نظر آتی ہے۔ نجمہ منصور نے مشرقی عورت کے لیے سانولی لڑکی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ نجمہ کی عورت اپنی آنکھوں میں اپنے خوابوں کی کرچیاں چبھونے کی بجائے چاہتی ہے کہ ان کو اڑان دی جائے، ان کو پورا کیا جائے۔ اس لیے وہ محض خواب نہیں دیکھتی بلکہ ان کی تکمیل چاہتی ہے۔ اس کے یہ خواب اس کی ذات سے منسوب ہیں وہ اپنی ذات کی تلاش میں سرگرداں ہے جو دوسروں کی خواہشات کی بھینٹ چڑھ کر خود کو فراموش کر چکی تھی۔ اس کے بادلوں کے دیس چلے جانے کے بعد بھی یہ حسرتیں اس کی آنکھوں میں دیکھائی دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی کھوج میں ہے۔ اپنی خوابوں کے نہ پورا ہونے کی اذیت، اپنی ذات کی نفی کا دکھ اس نظم میں نظر آتا ہے۔

"کہا ہے نا!

کہا ہے نا!

یوں شام ڈھلے

سوکھے پتوں کو روندتے ہوئے

جھیل کنارے مت جایا کرو

باڑ کے اس طرف

گھات لگا کر بیٹھی یادیں

سو سو سوال کریں گی

کسی دن ایسا نہ ہو

سوکھے پتوں کو روندتی

دانتوں سے ناخن چباتی

جھیل کے پانی کو نمکین بناتی

پاؤں پاؤں چلتی

کسی یاد کی اندھی کوکھ میں اتر جاؤ

کہا ہے نا!

یوں شام ڈھلے۔۔۔۔۔!!"5

اس نظم میں نجمہ منصور نے عورت کی لاچاری اور بے بسی کی کیفیت کو اپنا موضوع بنایا ہے کہ اکیلی عورت کو بہت سے کٹھن حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ زمانے کے سرد گرم سے بچنے کے لیے چار دیواری میں مقید ہونا پڑتا ہے کیونکہ اس کے باہر نکلنے پر اس کی جانب ہر طرح کی نظریں اور سوالات اٹھتے ہیں۔ اس نظم میں ہمیں ایسی لڑکی کا عکس نظر آتا ہے جو دکھ اور اذیت کو سہتی ہوئی اپنے آنسو کو دنیا سے چھپا کر رکھتی ہے۔ اس لیے نجمہ اس سے مخاطب ہو کر کہہ رہی ہیں کہ تم شام ڈھلے جھیل کنارے مت جایا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم یادوں کے بھنور میں پھنس کر کہیں بہت دور نکل جاؤ جہاں سے واپسی کی کوئی راہ نہ ہو۔

فرحت عباس شاہ رقمطراز ہیں:

"نجمہ منصور کی قلم کرلاتا ہوا ایسا پرندہ ہے جسے اگر کہیں امان اور پناہ ملتی ہے تو سینے کے اندر گھٹ کر رہ جانے والے کسی بین اور رات اور تنہائی کی گود میں چوری چھپے بہائے ہوئے آنسوؤں میں اس کے ہاں ایک عجیب سی وفا ہے، جو اس کے دل سے اٹھنے والے ہر احتجاج کو ہونٹوں تک پہنچنے سے پہلے ہی ایک دھیمے اور لطیف شکوے میں تبدیل کر دیتی ہے۔"6

"ایک منظر نامہ

میں

رات کی چادر میں منہ چھپائے

گم صم پڑی ہوں

اداسی کھڑکی سے جھانک رہی ہے

دھند میں لپٹا اک خواب

آنکھ کے اندر لرزاں ہے

تنہائی خاموشی، دم سادھے

اِدھر ادھر ٹہل رہی ہے

نیند کے نیلے شگوفے

بے چینی سے ہم کلام ہیں

اور چاند

چاند اِن سب کی تھکن اوڑھے

مضمحل اعصاب کے ساتھ

سرمئی بدلی کے سینے پر سَر رکھے

سو چکا ہے!"7

نجمہ منصور کی نظموں میں نسائی احساسات، جذبات اور کیفیات نظر آتی ہیں۔ اپنی نظم 'ایک منظر نامہ' میں انہوں نے عورت کی لاحاصل خواہشات کے دکھ کو بیان کیا ہے۔ اس کی یہ لاحاصل خواہشات اور اس کے خواب اپنی تکمیل چاہتے ہیں۔ اس کے پاس اپنے خواجوں کو پورا کرنے کی فرصت نہیں ہے۔ اس کی ذات کی نفی اس میں اداسی کی کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔

وہ چپ کی چادر اوڑھے کولہو کے بیل کی طرح کاموں میں جتی رہتی ہے۔ رات ہوتے جب چاند نکلتا ہے تو وہ بھی اپنے تھکن سے چور اعصاب کو آرام پہنچانے کے لیے اپنی اداسیوں، تنہائیوں کو خیر آباد کہہ کر ان کو دفن کرتے ہوئے سو جاتی ہے۔ نجمہ کے نظموں میں عورت کے کرب کو دیکھا جا سکتا ہے۔ انہوں نے اپنی نظموں میں عورت کی زندگی کے اتار چڑھاؤ کو بہت خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔

"سنو چنچل لڑکی!

سنو چنچل لڑکی!

چہرے کے اضطراب،

اداسی اور تھکن کو تم

میک اَپ کی دبیز تہ میں چھپا تو لیتی ہو

پر کبھی سوچا ہے؟

اگر کسی روز

تمہاری آنکھوں کی تشتریوں میں

ہلکورے کھاتے دکھ

موتیوں کی صورت بکھر گئے

تو کیا ہو گا

کبھی سوچا ہے!"8

نجمہ کی نظموں میں ہمیں آنسوؤں کا رنگ بھی نظر آتا ہے۔ وہ اپنی اس نظم میں ہمیں ایک ایسی عورت سے ملواتی ہیں جو اپنی تکلیف، تھکن اور دکھ درد کے احساس کو چھپا لینے کی کوشش کرتی ہے۔ خود کی خوشیوں کو فراموش کیے اپنے دکھ تکلیف پر خاموشی کا قفل لگائے سب ٹھیک ہے ہونے کا سندیسہ دیتی ہے۔ لیکن اس کی آنکھیں رت جگے کی چغلی کھاتی ہیں، وہ اپنے چہرے کو میک اپ کی تہوں سے ڈھانپ سکتی ہے لیکن اس کی آنکھیں اس کے دل کا حال سناتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی آنکھوں میں اس کرب کی کیفیت کو بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔

سدرہ سحر عمران کی نظموں میں نسائی کیفیات:

سدرہ سحر عمران کی نظمیں اس معاشرے کی بے رحم اور سفاک حقیقتوں کو عیاں کرتی ہیں۔ انہوں سے محض لفظوں کا جادو نہیں جگایا بلکہ اپنی شاعری میں معاشرے کی بہت سی تلخ سچائیوں کو بھی بیان کیا ہے۔ سدرہ نے اس موضوع کی جانب بھی توجہ دلائی ہے کہ عورت کو اس نام نہاد عزت دار معاشرے میں رہتے ہوئے کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ عورت کو اپنے ہونے کا احساس ہے کہ وہ کوئی بے جان چیز نہیں ہے اسی لیے وہ بے جا سماجی بندشوں کو توڑتے ہوئے خود کو اس دنیا سے متعارف کروانا چاہتی ہے۔ ان کی شاعری ان عورتوں کی زبان ہے جو ان مشکلات سے دوچار ہوتے ہوئے مختلف غم و خوشی کی کیفیات سے نبرد آزما ہوتی۔

ڈاکٹر صلاح الدین درویش کہتے ہیں کہ

"سدرہ کی نظم کا اسلوب، اس کے موضوعاتی تنوع اور اختصاص نے خود دریافت کیا ہے، سدرہ کی لفظیات ہر گز مستعار نہیں ہیں۔ وہ بیان جاری کرنے کے بجائے لفظی پیکر تراشتی ہیں۔ ہر نظم کی دیوار پر آٹھ دس تصاویر ٹانک دیتی ہیں کہ جن کے معنی تک رسائی کیلئے ضروری ہے کہ ناظر معاصر تاریخ، سیاست، معاشرت، مذہب و ثقافت کی مختلف صورتوں اور مسائل پر گہری نظر بھی رکھتا ہو۔ سدرہ کے موضوعی جہان سے آپ اختلاف کر سکتے ہیں لیکن اس کی نظم کا آرٹ قاری کو آرٹ سے متعلق نظریاتی مباحث میں توسیع کا تقاضا ضرور کرتا ہے۔"9

سدرہ کی نظموں میں دکھ، درد کا عنصر غالب نظر آتا ہے۔ لیکن وہ اس دکھ درد کو برداشت کرتے ہوئے خاموشی کا قفل اپنی زبان پر لگانے کے بجائے انہیں لفظی جامہ پہنا کر قاری تک پہنچاتی ہیں۔

"بے وطن عورت کا مارچ

(1)

کوئی رنگ سفیدی کے علاوہ؟

پانی۔۔۔ آنسوؤں کے سوا

سرخی۔۔۔ لہو سے الگ تھلگ

چوڑیاں۔۔۔ جن میں بیڑیوں سی کھنک نہ ہو

پازیبیں۔۔۔ جن کی صورت زنجیروں سے علیحدہ

ایک آزادی میرے کاجل کے لئے

ایک دیوار ایسی ہو

جس پر میری مرضی کی سانسیں ٹنگی ہوں

کوئی ایسی زمین

جس پر میں اپنی مرضی کی وقت کاشت کر سکوں

میرے لیے کوئی بینر

جس پر میرے وطن کا نقشہ ہو

کوئی سڑک

جو میرے ملک کو جاتی ہو

اور راستے میں کوئی قبرستان نہ پڑے"10

سدرہ اس نظم کے ذریعے ایسی عورت کی زبان بنی ہیں جو دوسروں کی مرضی و منشا کے مطابق زندگی گزارنے کی پابند ہے، بے جا پابندیوں میں قید ہے۔اس کی دکھ اور کرب کو کوئی محسوس نہیں کر سکتا اس لیے اسے اپنے حق کے لیے خود ہی آواز بلند کرتی ہے۔ آگے بڑھنے کے لیے پیروں میں بندھی زنجیروں سے رہائی حاصل کرنے کی خواہش مند ہے۔وہ قید رہنے کے بجائے زندگی کے رنگ دیکھنا چاہتی ہے۔ وہ دوسروں کے بنائے سانچے میں خود کو ڈھالتے ڈھالتے تھک چکی ہے۔وہ ایک جیتا جاگتا وجود ہے جس کی اپنی خواہشات، اپنے خواب، اپنی سوچ اور اپنا نقطہ نظر ہے۔اس لیے وہ اپنی مرضی سے کھلی فضا میں سانس لینا چاہتی ہے ایسی فضا جس میں گھٹن نہ ہو اور وہ بنا کسی ڈر خوف کے آزادی کے ساتھ اپنی زندگی بسر کر سکے۔ایسی جگہ جہاں دوسروں کے فیصلے اس پر مسلط نہ کیے جائیں۔بلکہ اسے اپنی زندگی کے فیصلے خود کرنے کا اسے بھی مکمل حق حاصل ہونا چاہیے۔

"زنجیروں پہ سیلز ٹیکس

تم۔۔۔ جھڑی ہوئی دیواروں کا سایہ

ان اینٹوں میں ڈھونڈتے ہو

جو میرے خواب جلا کر حاصل ہوئیں

دھوپ سے بنے ہوئے مکان میں

مجھے موسم سمجھ کر قید کرنے والے 9

میں ان پتھروں کا مرکزی کردار رہی ہوں

جو اونچی حویلیوں کے تہہ خانوں میں

کئی صدیوں تک چنے گئے

جن سیڑھیوں پہ چراغ بولتے ہیں

وہاں ہر چاپ گونگی ہو جاتی ہے

زنجیروں کے ہاتھ

ایک دوسرے سے اشارے کنایوں میں بات کرتے ہیں

اور کسی جھنکار میں میری ہنسی ٹوٹ کر گر جاتی ہے

میں اپنے خوابوں کے پتلے تمہاری آگ سے جلاتی ہوں

لیکن ان کی راکھ خشک نہیں ہو سکتی

کہ دیوار سے چپکی ہوئیں تلواروں میں

خون جم جانے کا موسم

میری زبان بند ہونے تک نہیں آئے گا"11

اس نظم میں ہمیں شعور ذات دیکھائی دیتا ہے۔ سدرہ نے ایسی عورت کے کرب کو پیش کیا ہے جو چپ چاپ ظلم کی چکی میں اپنی آواز پر خاموشی کا قفل لگائے پستی رہی ہے۔ عورت جو صدیوں سے رسم ورواج کی دیواروں میں مقید تھی۔ اب اپنے حق کے لیے آواز اٹھانا جانتی ہے۔ یہ اونچی حویلیاں اور جھوٹی شان و شوکت عورت کے ارمانوں کے خون پر تعمیر ہیں۔ وہ چپ چاپ گونگی بہری بنی صدیوں سے جبر برداشت کرتی رہی ہے۔ ان عمارتوں کی اینٹوں میں اس خواب دفن ہیں۔ اس کی آواز کو اس چار دیواری میں ہی قید کر دیا گیا۔ اس کے خواب، اس کی ہنسی، اس کی خوشیاں سسکیاں بن کر اس کے ہونٹوں پر ہی دم توڑتی رہی ہیں۔ لیکن اب ان خوابوں کی راکھ سے ایسی چنگاری بھڑک اٹھی ہے جو ان کی راکھ کو خشک نہیں ہونے دے۔ اس نظم میں ایسی عورت پیش کیا گیا ہے جو اب صرف اپنے خوابوں کو پورا کرنے کی چاہ ہی نہیں رکھتی بلکہ ظلم کے خلاف آواز اٹھاتی ہے۔ اب اس آواز کو کوئی چار دیواری اپنے اندر قید نہیں کر سکتی۔ یہ آواز صرف موت آنے پر ہی ختم ہو سکتی ہے۔

"ہوا بادلوں کی سفید جھاگ سے بلبے بناتی ہے

میلی کچیلی آنکھوں کی سطح پر

کسی اپاہج عکس کی روشنی

ٹھہری ہوئی ہے

پلک حیرت کدے میں

دم سادھے ایستادہ ہے

کوئی خواب کا کاندھا ہلا کر

کھڑکی سے باہر جھانکے

کہ چاند اپنے زرد لباس کی سلوٹوں میں

ستارے چھپا کے لوٹا

تو رات کے کریہہ چہرے پہ

الزام تراشی کی مٹی پھینکی گئی

میں زمیں و آسماں کے

خلیجی راستوں میں

دھندلے خواب کے گولے

بنا بنا کے مارتی ہوں

تو مقدر کی ٹیڑھی میڑھی دیوار

بڑبڑانے لگتی ہے

مجھے کسی اذیت شناس چہرے کی

بے تحاشہ رغبت نے باندھ رکھا ہے

وگرنہ میں اپنی ہی زندگی کو

اتنی ٹھوکریں ماروں

کہ لہولہان ہو جائے!"12

سدرہ کی نظمیں داخلی کیفیات کی عکاسی کرتی ہیں۔اس نظم میں اذیت ،خواب، خیال، خواہش کے موضوعات کو قلمبند کیا گیا ہے۔ایسی عورت جو مقدر اور حالات کی اذیت سے دوچار ہے۔وہ اس معاشرے میں رہتے ہوئے میلی کچیلی نظروں کا شکار ہوتی ہے۔اگر وہ اپنے خوابوں کے حصول کے لیے باہر نکلتی ہے تو ہر قدم پر اسے الزام تراشی اور غلیظ نظروں کی اذیت کو سہنا پڑتا ہے۔وہ اس دکھ، درد، تکالیف کو برداشت کرتے ہوئے اس نہج پر پہنچ چکی ہے کہ خود کو اذیت دینے سے بھی پیچھے نہیں ہٹے گی کیونکہ وہ ایسی اذیت ناک زندگی سے آزادی چاہتی ہے۔

"خوش خوراک بدن
دل بستگی کے لئے
مختلف نسلوں اور ذائقوں کی عورتیں تلاش کرنا
ایک دلچسپ مشغلہ ثابت ہو سکتا ہے
اگر تم لباس کی طرح
عورت بدلنے کا فن سیکھ لو
یا کم از کم اسے پہننے کے آداب تو آنے ہی چاہئیں
عورت پہننے کا فن ایسا ہی ہے
جیسے جوتوں کی دکان پر
لیکن عورت پہننے کا فن سیکھ لینے کے بعد
مرد، مرد نہیں رہتا
مردار ہو جاتا ہے
اور جب قرب وجوار کی بستیاں
آخری درجے کے کردار سے بھی خالی ہو جائیں
تو ہر عورت کے لئے

یہ مرد ار

حلال قرار دینے کا فتویٰ دے دیا جاتا ہے

نکاح کی چوٹ پر!"13

تخلیق کار اپنے سماجی رویوں، حساس موضوعات کو لفظوں کا جامہ پہنا کر قارئین کو متوجہ کرتا ہے۔ اسی طرح سدرہ اس نظم میں عورت کے استحصال کے نازک موضوع کی جانب توجہ دلاتی ہیں۔ عورت یہ استحصال سہتے کس اذیت سے گزرتی ہے اور اسے کس قدر بے بسی اور لاچاری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس بات کا اندازہ صرف ایک عورت کو ہی ہو سکتا ہے۔ اس نظم میں سدرہ نے ایسی عورت کی بات کی ہے جن پر حرام کاری کرنے والے مردوں کو زندگی بھر کے لیے مسلط کر دیا جاتا ہے۔ عورت کا استحصال ان کے لیے ایک دلچسپ مشغلہ ہے۔ مرد ہر روز لباس کی طرح عورت بدلتا ہے۔ عورت کا وجود اس کے لیے محض لذت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ لیکن ایسا مرد مرد کہلانے کے لائق نہیں ہے بلکہ حرام کاری کی وجہ سے مردار ہو جاتا ہے۔ جب یہ مردار سدھرنے کے قابل نہیں رہتا تو عورت کے لیے نکاح کے بندھن میں باندھ کر اس مردار کو حلال قرار دے دیا جاتا ہے۔

"اور تم۔۔۔۔۔

عورت۔۔۔ دیوار کی آخری کیل

جو آئینے کا بوجھ اس لئے اٹھار کھتی ہے

کہ تمہیں پتھر کے خدا پسند ہیں

تم اس کے ہاتھوں کو

کنگھی کے دندانوں میں رکھ کر

لباس کی سلوٹیں درست کرنے لگے

اور اس کا وجود بھر گیا

میلی کچیلی آوازوں سے

عورت۔۔۔ باورچی خانے کا دروازہ

جو اندر کی طرف کھلتا ہے
اس کی بند چٹخنی
جو شعلوں کی نظر ہو گئی

اور تم نے۔۔۔۔ سالن میں مرچیں تیز ہو جانے پر
اسے پلیٹ کی طرح
پٹخ دیا پرائی چوکھٹ پر
عورت۔۔۔ مسہری کا دایاں حصہ
جو ادوائن میں کس دی گئی
ٹیڑھی پسلیوں سمیت
اور
تمہارے حرم سے نکلتی رہیں
بیرونی بیر بہوٹیاں
اور تم۔۔۔۔ سفید لباس
جس کے پختہ داغ
دنیا کا کوئی ڈٹرجنٹ پاؤڈر
نہیں نکال سکا!!"14

سدرہ نے اپنی نظم 'اور تم' میں عورت کی دن بھر کی مصروفیت کو بیان کیا ہے کہ عورت سارا دن محنت مشقت کرتی ہے۔ مرد اس کے وجود سے اپنی خواہشات کی تسکین کرتے ہیں اور وہ سارا دن باورچی اور گھر کے کاموں میں الجھی رہتی ہے۔ لیکن اس کی محنت کو سراہنے کے بجائے مرد اس کی معمولی سی کوتاہی بھی برداشت

نہیں کرتا اور سالن میں مرچیں تیز ہونے پر پلیٹ کی طرح اسے بھی پٹخ دیا جاتا ہے۔ عورت ایسا سفید لباس ہے جس پر لگنے والا دھبہ بہت واضح دکھائی دیتا ہے اور اس کی کسی غلطی کی کوئی معافی نہیں ہو سکتی۔

"""زینب کی قبر وہ آنکھ ہے جو قیامت تک خشک نہیں ہو گی"

مردانہ طاقت کے ننگے اشتہاروں نے

اس کے سات برسوں کے دھاگے

کھینچ کھینچ کر جدا گئے

اور۔۔۔ ریشم کی گڑیا آنکھوں تک ادھڑتی چلی گئی

اس کے سفید کرتے سے اٹھتے بادلوں میں

سرخ رنگ کی بارشیں تھیں

اور۔۔۔ داغدار سورج کی اوٹ میں

خدا دیر سے رو رہا تھا

زمین نے ایک اور قبر سے آنکھیں ڈھانپ کر کہا

یا تو دیواروں سے ان کی حرام کاریاں اتار کر

سنگساری کا دن بڑھایا جائے

یا۔۔۔ پہلی جماعت سے لفظ

"زنا بالجبر"

لکھنا سکھا دیا جائے

(کہ اب جب بھی باپ کے آنگن میں

کسی بیٹی کی کھکھلاہٹ جنم لے گی

اس کا نام قیامت رکھا جائے گا)!!"15

سدرہ نے اس نظم میں کم عمر بچیوں کے ساتھ ہونے والے ظلم و زیادتی کو بیان کر کے اس بے رحم معاشرے کی سفاک حقیقت کو منظر عام پر لایا ہے۔ یہ کہانی کسی ایک بچی کی نہیں بلکہ ہر اس بیٹی کی ہے جو اس معاشرے کے درندوں کی درندگی کا نشانہ بنتی ہے۔۔ جب وہ گھر سے باہر اپنا قدم نکالتی ہے تو وہ کسی میلی آنکھ کی زد میں آجاتی ہے۔ مردانہ طاقت کا روب جمانے والے حرام کار اس کی آنکھوں سے خواب نوچ ڈالتے ہیں، اس کی عمر کی ناپختگی اور معصومیت کو روند دیتے ہیں۔ اس کی بے بسی اور لاچاری کی انتہا تو یہ ہے کہ اسے انصاف مہیا کرنے کے بجائے آنکھ موندلی جاتی ہیں اور زمین کی گود میں ابدی نیند سلا دیا جاتا ہے۔ اس لیے بیٹیوں کا وجود باعث مسرت نہیں اس لیے اس کا نام قیامت رکھ دیا جائے۔ کیونکہ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کب کسی مردانہ طاقت کا شکار ہو جائے۔

عذرا عباس کی نظموں میں نسائی کیفیات:

عذرا عباس نے اپنی نظموں میں کھلے الفاظ میں نسائی حسیات و کیفیات کو بیان کیا ہے۔ ان کی نظموں میں ہمیں تمام نسائی مسائل کا اظہار نظر آتا ہے۔ عذرا نے نجمہ منصور، سدرہ سحر عمران اور عارفہ شہزاد کے مقابلے میں عورت کی کیفیات کو واضح انداز میں بیان کیا ہے۔

"ایک چپ لگی ہے یہ چپ
جو تمہاری ہونٹوں سے لے کر
میرے ناخنوں تک اتر گئی ہے
شور جو میرے انگ انگ سے
پھوٹتا تھا
اب شکلیں بنا بنا کر
دیواریں پر گھومتا ہے
آنکھیں، ہونٹ اور تمام اعضا
مجھے ڈر لگتا ہے
پلستر کی ہوئی دیواروں میں جذب ہو کر

یہ میرا منہ چڑاتا ہے

چپ کا سناٹا

مجھے آہستہ سنبھل سنبھل کر چلنے پر

مجبور کرتا ہے

یہ میرے قدموں سے لپٹ گیا ہے

جب کبھی میں اس چپ سے باہر

جھانکتی ہوں

کوئی دروازہ کھٹکھٹا رہا ہو

کوئی چل رہا ہو

شور ہو رہا ہو

کان سنی ان سنی کر دیتے ہیں

بچوں کی آوازیں

دھیرے دھیرے چلتی ہوئی فلم کی طرح

میرے کانوں سے ٹکراتی ہیں

جب میں تم کو دیکھتی ہوں

تم مجھ سے کچھ کہہ رہے ہوتے ہو

میں کہتی ہوں

چپ ہو جاؤ

تم تاسف سے میرے جسم کا

احاطہ کر لیتے ہو

اور چپ سادھ لیتے ہو"16

اس نظم میں مشرقی نسائیت نظر آتی ہے۔ عذرا نے عورت کی کیفیات کو مشرقی تناظر میں بیان کیا ہے۔ یہ مشرقی عورت اپنی خواہشات کا کھلے لفظوں میں اظہار نہیں کرتی یہ ہی وجہ ہے کہ اس کے اندر بہت شور شرابا ہے۔ وہ اپنی اس کیفیت کو بیان کرنے سے قاصر ہے کیونکہ جب وہ اپنے ہونٹوں سے خاموشی کا قفل کھول کر کچھ کہنے کی کوشش کرتی ہے تو مجبوریاں اس کے قدموں سے لپٹ جاتی ہیں۔ اضطراب کی کیفیت اسے گھیر لیتی ہے۔ اس کا خوف اسے سنبھل سنبھل کر قدم اٹھانے پر مجبور کر دیتا ہے۔ باہر کے شور سے اس کی آواز دب جاتی ہے اور کسی کو سنائی نہیں دیتی۔

"جیت کس کی ہو گی
کسی کونے سے نکلتا ہے
ایک خوف
اور رقص کرنے لگتا ہے
میرے سامنے
جیسے کوئی ماہر رقاص
بتا رہا ہو بھاؤ تاؤ
یا کوئی گہرا راز
زندگی اور موت کا

پھر پردہ گرتا ہے
جانے کب
خوف میرے سینے پر چڑھ آتا ہے
میں چلانے لگتی ہوں
جاگتے اور سوتے ہیں
لڑتی ہی رہتی ہوں

اس جنگ میں

جیت کس کی ہو گی"17

خوف کی کیفیت اس نظم میں بیان کی گئی ہے۔خوف کسی ماہر رقاص کی طرح عورت کے گرد رقص کرتا رہتا ہے۔یہ خوف اس کی ذات کی نفی، اس کی شناخت کے کھونے کا ہے، یا اس خوف میں زندگی اور موت جیسا راز پوشیدہ ہے جس کو عیاں کرنا ایک کٹھن مرحلہ ہے۔اس لیے عورت جاگتے سوتے ہر وقت اپنے اس خوف سے لڑنے کی کوشش کرتی ہے اور اس شیش و پنج میں مبتلا رہتی ہے کہ کیا وہ اس خوف کی کیفیات سے جنگ جیت پائے گی یا یہ خوف اس پر حاوی ہو جائے گا؟

"یہ صدی

یہ صدی فاصلوں کی صدی ہے

اس کا درد

بچہ پیدا کرنے والی عورت کے

دردوں سے بڑھ کر ہے

میں نے اپنے اجنبی خوابوں کو

ایک لباس پہنا دیا ہے

جس میں وہ دبکے رہتے ہیں

ایک راستا یہ بھی ہے

میں ان لوگوں کے منہ پر تھوک دوں

جو میری نفی کرتے ہیں

وقت ضائع کرتے کرتے میری عمر کے

کئی برس گزر گئے

مجھے اب تک کچھ نہیں آیا

اپنے شوہر سے

ہم بستری کرتے ہوئے بھی

مجھے اپنے پھوہڑ پن کا

احساس رہتا ہے

میری جلد

خاکستری ہو چکی ہے

میں اپنے خالی ڈرائینگ روم میں

سنی ہوئی دیواروں کو

گھورتی رہتی ہوں

میرے خوابوں کا سمندر

آج بھی بہت شور مچاتا ہے

اور سر سے اونچا ہو جاتا ہے

مگر وقت کی آوازیں

مجھے شب بخیر کہہ رہی ہیں

اور میری طرح بے ڈول ہو گئی ہیں

یہ سب کچھ بے کار ہے

گفتگو کے درمیان

خالی کرسیاں پڑی رہ جاتی ہیں

اور آوازیں باقی رہتی ہیں

محبت سے خالی

میرا جسم

کوئی گیت سننا چاہتا ہے

جو میرے جسم ریشے ریشے کو

جگا دے

اور میں دنیا کی حاصل نہ ہونے والی

انتہائی لذت میں

اپنے ناخنوں تک ڈوب جاؤں"18

اس نظم میں انتظار، خوابوں کے پورے نہ ہونے کا دکھ نظر آتا ہے۔ عذرا کے مطابق یہ انتظار کا دکھ سب دکھوں سے بڑا دکھ ہے۔ یہ درد اس عورت کے درد سے بھی سوا ہے جو درد عورت بچہ پیدا کرتے وقت سہتی ہے۔ دراصل اس کا یہ دکھ ان خوابوں کے نہ پورا ہونے کا دکھ ہے جسے وہ فراموش تو نہیں کر پائی لیکن وہ چپ کی چادر اوڑھ کر سو چکے ہے۔ وہ اپنی ذات کو منوانا چاہتی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ 'میں ان لوگوں کے منہ پر تھوک دوں' جو میری ذات کی نفی کرتے ہیں۔

> "عورت اپنے تلخ تجربات کی بنیاد پر اتنی توانا ہو گئی ہے کہ اب اس لہجہ میں مخاطب ہے۔ وہ جبر و قہر کے ان نشیب و فراز سے گزر چکی ہے اور سماج سے لڑتے لڑتے سخت جان ہو گی۔ اس کی طبعیت میں ایک باغی عورت نے جگہ لی ہے۔۔۔۔۔۔وہ پدری نظام کے کھوکھلے پن سے واقف ہے۔ وہ معاشرے سے بد ظن بھی ہے۔ پابندیوں سے بے زاری بھی ہے۔ اور اسے سڑے گلے سماج سے نفرت بھی ہے اور بغاوت بھی۔"19

اس عورت میں مغربی عورت کی طرح آزادانہ روش کے بجائے دبا دبا احتجاجی رویہ نظر آ رہا ہے جو مشرقی عورت کا خاصہ ہے۔ اس کے خوابوں کا سمندر اس کے اندر شور مچاتا ہے لیکن وہ انہیں سلا کر شب بخیر کہہ دیتی ہے۔

"یہ دل نہیں مانتا

یہ دل نہیں مانتا

بس بائیں جانب دھڑکتا رہتا ہے

کہتا رہتا ہے

اقرار کرو

جینے کا

چپکے چپکے مسلتا ہے

جیسے میرے ہی ہاتھوں سے

مار ڈالے گا مجھے

یہ اور اس کی باتیں

مجھے کہیں کا نہیں چھوڑیں گی

اکساتی ہیں مجھے

ہونے پر

اور مجھ میں اپنے پانے کا ہوکا

بڑھاتی رہتی ہیں

اور کہتی رہتی ہیں

ہمیشہ کے ہونے سے بہتر ہے

ایک بار تو ہو جاؤں

اس کی آوازیں

چھن چھن میرے جسم میں

اترنے لگتی ہیں

بادل اور بارش میں

دھوپ اور چھاؤں میں

یہ بلاوا دیتا ہے

کہتا ہے

میں اٹھ جاؤں

گرد جمنے سے پہلے

دھل جاؤں

بارش ہونے سے پہلے

اور دھوپ نکلنے سے پہلے

جل جاؤں"19

عذرا نے عورت کی لاحاصل خواہشات اور محرومیوں کا ذکر کیا ہے۔ جن کی وجہ سے عورت اداس رہتی ہے۔ وہ اپنی خواہش کے مطابق جینا چاہتی ہے۔ اس نظم میں نسوانی لب ولہجہ سنائی دیتا ہے۔ ایسا منظر پیش کیا گیا ہے جس میں عورت کا دل اپنی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے دھڑکتا ہے۔ اس لیے وہ گرد جمنے سے پہلے منظر کے دھل جانے، اس کے واضح ہونے کا انتظار کرتی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ محرومی اس کی زندگی بھر کا حصہ بن جائے اس لیے وہ مر جانے کے خوف کو بلائے طاق رکھے دل کی خواہش پر لبیک کہنا چاہتی ہے تاکہ زندگی بھر کا پچھتاوا اس کا مقدر نہ بنے۔

"ایک نظم لکھنا مشکل ہے

اسے وہی جانتا ہے

جس نے ایک بچہ جنا ہو

یا اسے جنم دینے سے

پہلے بہا دیا ہو

دونوں دکھ ایک ہی ہیں

جیسے تمہیں

گرم گرم جلتے ہوئے لوہے سے

داغا جارہا ہو

یا تمہارے جسم کو

گودا جارہا ہو

ایک سرے سے دوسرے سرے تک

اندھیرے اور سناٹے میں

دروازہ ہو نہ کوئی شگاف

کہ آواز باہر جا سکے

بس جیسے

ایک کند چھری جو تمہارے ہی ہاتھوں

تمہاری گردن کاٹ رہی ہو

اور اس لذت آمیز خود اذیتی میں

تم خود کو ہلکان ہوتے ہوئے

دیکھ رہے ہو

لمحہ بہ لمحہ

ایک وجود کو

دوسرے سے باہر دھکیلنا

باہر آلودگیوں کے ڈھیر پر

دھیرے دھیرے

کوئی نام دینے کے لیے "20

عورت کو کمزور اور ناتواں سمجھنے والے اس حقیقت کو فراموش کر چکے ہوتے ہیں کہ عورت ہی ایک نئی زندگی کو جنم دیتی ہے۔ موت سے لڑ کر ایک زندہ وجود اس دنیا میں لاتی ہے اور اس عورت کا دکھ بھی کوئی

نہیں سمجھ سکتا جسے اس ننھے وجود کو جنم دینے سے پہلے بہا دینا پڑتا ہے۔ دونوں دکھ بے حد اذیت ناک ہیں۔ عذرا نے زچگی کے مسائل کو قلمبند کیا ہے۔ عورت اتنی تکلیف، درد کو برداشت کرنے کے بعد بھی کس طرح دوبارہ ایک نئے وجود کو جنم دینے کے لیے راضی ہو جاتی ہے۔ عورت اس لذت آمیز خود اذیتی سے دوچار ہوتی ہے۔

"ہاتھ کھول دیئے جائیں
میرے ہاتھ کھول دیئے جائیں
تو میں
اس دنیا کی دیواروں کو
اپنے خوابوں کی لکیروں سے
سیاہ کر دوں
اور قہر کی بارش برساؤں
اور اس دنیا کو اپنی ہتھیلی پر رکھ کر
مسل دوں
میرا دامن خوابوں کے اندھیرے میں
پھیلا ہوا ہے
میرے خواب پھانسی پر چڑھا دیئے گئے
میرا بچہ میرے پیٹ سے چھین لیا گیا
میرا گھر قہر خانوں کے اصطبل کے لئے
کھول دیا گیا
مجھے بے زین گھوڑے پر
اندھیرے میدانوں میں اتار دیا گیا ہے

میں زنجیر کا سرا کس کے پاس ہے؟

قیامت کے شور سے پہلے

میں اپنی دھجیوں کو سمیٹ لوں

اپنے بچوں کو آخری بار غذا فراہم کر دوں

اور زہر کا پیالا پی لوں

میری زنجیر کھول دی جائے

اس کا سرا کس ہاتھ میں ہے؟"21

عورت کو ہر دور میں ظلم و زیادتی کا نشانہ بنایا جاتا رہا ہے۔اس نظم میں بھی شاعرہ نے اس کی قید کی داستان کو رقم کیا ہے۔اس کی خوشی،اس کے خوابوں کو کس طرح سے روند دیا جاتا ہے۔اب اس کے اندر سرکشی اور بغاوت کی فضا سر اٹھا رہی ہے۔اس کے اندر ان خوابوں کا ایک طوفان بھرپا ہے اس لیے اب وہ خاموش نہیں رہ سکتی اور ان خوابوں کو در و دیوار پر لکھنا چاہتی ہے۔اس کے خواب قتل کر دیے گئے۔اس کا استحصال کیا گیا۔یہ نظم نسائی مشکلات کا بیان ہے۔

اس نظم میں ہمیں ماں کے جذبات بھی نظر آتے ہیں وہ اپنی ذات کی پرواہ کیے بنا اپنی اولاد کو غذا فراہم کرنے کے لیے فکر مند ہے۔اس کی اولاد کو اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی گلہ گھونٹ کر قتل کر دیا جاتا ہے۔لیکن اب وہ یہ کرب،اذیت ، ظلم و زیادتی کو برداشت نہیں کر سکتی اور اس کے خلاف آواز بلند کرتی ہے۔وہ معاشرتی رسوم و رواج کے شکنجے میں جکڑی ہوئی نسوانی خوابوں اور محرومیوں کا خاتمہ چاہتی ہے۔یہ ہی احتجاجی رویہ اس نظم میں نظر آتا ہے کہ وہ اپنی آزادی چاہتی ہے اور زنجیر کو کھول کے اتار پھینکنا چاہتی ہے لیکن وہ نہیں جانتی کہ وہ کیسے اس سے آزادی حاصل کرے گی۔

عارفہ شہزاد کی نظموں نسائی کیفیات کا جائزہ:

عارفہ شہزاد ایک باذوق اور ذہین شاعرہ ہیں۔انہوں نے نسوانی داخلی کیفیات کی عکاسی کی ہے۔آج کی عورت بے جا پابندیوں میں قید ہونے والی نہیں ہے۔اس کے اندر آزادی کی خواہش سر اٹھا چکی ہے۔

سرالا دیوی نے 'رائٹس آف وومن' کے نام سے ایک تحریر میں لکھا کہ:

"آج کے زمانے میں عورت کے اندر آزادی کی تمنا سر اٹھا رہی ہے وہ اپنی نجات کی راہ میں حائل تمام رکاوٹیں عبور کرنے کا عزم کئے ہوئے ہے۔ اس کے اندر عورت کو مسلسل محکوم کر کے نہیں رکھا جا سکتا۔ یہ نا قابلِ برداشت ہو چکا ہے، خاص طور پر آج کے دور میں، اور چونکہ یہ اب نا قابلِ برداشت ہے، اس لئے بغاوت کی آگ بھڑک چکی ہے۔"22

عارفہ کے ہاں بھی ایسا ہی نسائی رویہ نظر آتا ہے۔

"رنگ رسیا
تم درمیان میں آ کے کیوں کھڑے ہو
میرے دائرے سے کیسے گزرو گے
تم اسے کاٹ نہیں سکتے
میں نے اپنے دائرے کو توڑ دیا ہے
اور چار سمت خود بکھیر دیا ہے
ایک سمت،
میں اپنے بدن کے رنگ
خود اپنے اندر اتار دیتی ہوں
دوسری سمت
خلا بے رنگی میں رنگ گھولتے گھولتے،
بے رنگ ہو جاتی ہوں!
تیسری سمت
بے دلی کے رنگ دیکھتی رہتی ہوں
اور تیز تیز قدموں سے آگے نکل جاتی ہیں

چوتھی سمت،

دل کا رنگ،

ہتھیلی کی رگوں میں ڈھونڈتی رہتی ہوں!

تکثیریت کی خواہش

نہ کاسنی ہوتی ہے، نہ خاکی

انگلیاں،

کاغذ میں چھپے رنگوں کو الٹتی پلٹتی رہتی ہیں

اور اندھی کر دیتی ہیں رات کی آنکھیں!

چھوڑ دیتی ہیں دن کی ہڈیاں!

اور گھڑتی رہتی ہیں خواب کی خراد پر، لفظ!

لفظوں کو رنگوں سے آلودہ کرنے سے کیا ہو گا؟

تم نے مجھے نہیں دیکھا

فقط میری تصویر دیکھی ہے

تم میرا رنگ کیسے جان سکتے ہو؟"23

اس نظم میں عورت کی مختلف داخلی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے۔ عورت خود پر جبر و تشدد برداشت نہیں کر سکتی۔ اس نے اپنے گرد ایسا دائرہ کھینچ لیا ہے جسے اس کے سوا کوئی اور نہیں کاٹ سکتا۔ عارفہ نے یہاں جنسیت کے موضوع کو بیان کیا ہے۔ اس دوران عورت کن کیفیات سے گزرتی ہے۔ اس کا سارا رنگ، اس کی خوشی دوسروں کو خوش کرنے میں کہیں ہوا میں تحلیل ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس کے ارمانوں کی بے رنگی دوسرے کی زندگی میں قوس و قزاح کے رنگ بھر دیتی ہے۔ وہ اپنے ہاتھ کی لکیروں میں اپنی قسمت کا خوش نما رنگ تلاش کرتی ہے۔ یہاں ہمیں مشرقی عورت کا عکس نظر آتا ہے جو اپنی خواہشات کو اپنے رنگوں چپ چاپ اترتا ہوا دیکھتی ہے۔ کوئی اس کی ذہنی کیفیت سے آشنا نہیں ہے۔ کوئی اس میں زندگی کے رنگ نہیں بھرتا بلکہ

مسخ کرتے چلے جاتے ہیں۔ عورت اپنے ان خوابوں، رنگوں اور ذہنی کیفیات کو لفظوں کا جامہ پہنا کر اپنے حق کے لیے آواز بلند کر رہی ہے۔ کیونکہ اگر وہ اب بھی آواز بلند نہیں کرے گے تو اس کا وجود اس کے خواب رات کی تاریکی کا حصہ بن جائیں گے۔

"تم جانتے ہو
مرد، اسے دیکھ کر
غیبت بھری سرگوشیاں کرنے لگتے ہیں
ایک نظر ڈال کر منھ موڑ لیتی ہیں
میں اس خوبصورت عورت کی طرح بننا چاہتی ہوں
جس کی آنکھوں سے قوس قزح پھوٹتی ہے
اور ہونٹوں پر ستارے جگمگاتے ہیں
اس کی صراحی دار گردن کی تمکنت کو
بہاریں رک رک کر دیکھتی ہیں
میں ہمیشہ یونہی رہنا چاہتی ہوں
جیسے ہے وہ عورت
سیب کی ابھی ابھی تراشی قاش کے جیسی خوشبودار!
اس کے بدن سے پھوٹتی حدت
پھیل جاتی ہے زمین سے آسمان تک
وہ اپنی پوروں کے طلسم سے پگھلا سکتی ہے برف
برسا سکتی ہے کچی مٹی کے کورے پن سے لبریز
سوندھی بارش
وہ ہوا کے سانس جذب کر لیتی ہے

دھڑکنے لگتی ہے منظروں کے آئینے میں
او جھل ہو جاتی ہے آئینے کے عکس میں
اور تمہارے بدن کا ہیولی بن جاتی ہے
ان دیکھے راستے تحریر کرتی ہے
دل کے قدموں سے عبور کر لیتی ہے
بدن کے پگڈنڈیوں کو
اور بھولنے نہیں دیتی مسافر کو راستہ
میں اس خوبصورت عورت کی طرح
کیوں بننا چاہتی ہوں؟
تم جانتے ہو!"24

عورت آزادی سے اپنی زندگی گزارنا چاہتی ہے۔عارفہ عورت کے سماجی استحصال اور مسائل سے بخوبی آگاہ ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی نظموں کے ذریعے بہت خوبصورتی سے قارئین کی توجہ ان حساس موضوعات کی جانب کھینچتی ہیں۔عورت ایسی عورت بننا چاہتی ہے جسے دیکھ کر کسی آنکھوں میں ترس کا عنصر نہ ہو۔وہ باوقار، پر اعتماد عورت بننا چاہتی ہے۔جس آنکھوں میں حسرتوں کے دیے نہ ہوں بلکہ اپنے خواب پورا کرنے کی چمک ہو اور سب کی آنکھوں میں اس کے لئے ستائش ہو۔اس نظم میں ایسی عورت کا ذکر بھی ملتا ہے جو اپنی نسائی خصوصیات، اپنے حسن سے کسی کو بھی زیر کر سکتی ہے۔عورت پورے شعور اور ادراک کے ساتھ اپنی خواہشات کو کھلے لفظوں بیان کر رہی ہے۔اس کے دل میں ایسی عورت بننے کی خواہش و حسرت ہے جو اپنے حسن سے دوسروں کے دل جیت لیتی ہے۔ایسی عورت جو محفل کی جان ہوتی ہے۔سب کی توجہ کا مرکز ہوتی ہے۔ایسی عورت جس کی قربت کے سب خواہش مند ہوتے ہیں۔وہ سب پابندیوں سے آزاد اپنی مرضی کی مالک ہو۔آخر میں عورت خود کلامی کا انداز اپنایا گیا ہے وہ خود سے کہتی ہے کہ میں نہیں جانتی کہ میں ایسی عورت کیوں بننا چاہتی ہوں لیکن تم اس کا جواب جانتے ہو تم جانتے ہو۔

"میں اور تم

بصارت، تیز روشنی کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتی

اور تم میری محبت کا!

آنکھوں کے سامنے ناچنے لگتے ہیں ترمرے

قہقہے لگاتا ہے اندھیرا

اور بے رخی کے اندھے پن میں

راستہ نہیں ملتا!

تم چپ رہتے ہو

تم چپ رہ سکتے ہو

کائنات کی آخری آواز کے گونجنے کے بعد بھی

اور میری آواز تحلیل ہو جاتی ہے خلا میں!

مرا آنسوؤں بھرا چہرہ تم دیکھتے ہو

اور پلٹ آتے ہو

شاید تمہارے لفظوں کو درکار ہے

آنسوؤں کا خراج

مگر یہ آنسو گاڑ دیتے ہیں میخیں

میرے دل میں!

میں بولتی ہوں

میں تم سے بے تحاشہ بولتی ہوں

مگر دل کو ایک چپ سی لگ جاتی ہے!"25

عارفہ نے اس نظم میں اس عورت کی آواز بلند کی ہے جسے محبت کی راہ میں لا کر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس کی پکار اس کے خوابوں کو ان دیکھا کر دیا جاتا ہے۔ جیسے آنکھیں زیادہ روشنی کو برداشت نہیں کر سکتی اس طرح

اس کی محبت کو بھی برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی آواز خلا میں تحلیل ہو جاتی ہے۔ اس کے محبوب کی بے رخی اسے آنسوؤں کا تحفہ دیتی ہے اور وہ ان آنسوؤں کا تحفہ سمیٹ کر خاموشی سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ عورت اپنے محبوب کی بے وفائی پر دل برداشتہ ہے اور خاموشی کا قفل ہونٹوں پہ لگائے رکھتی ہے۔ عورت اس اذیت، ذلت، بے اعتنائی کو مزید برداشت نہیں کر سکتی۔ اس لیے وہ نظموں میں اپنے جذبات کو بیان کر رہی ہے کہہ رہی ہے کہ اس کی آواز کو دبایا نہیں جا سکتا۔

"میں اسے پہچانتی ہوں
وہ میرے ساتھ رہتی ہے
وارفتگی سے لبریز
دہکتی، سلگتی
اور کبھی راکھ ہوتی ہوئی!
میں راکھ کریدتی ہوں
اور ایک چنگاری سے
سلگاتی ہوں نئی آگ!

وہ میرے ساتھ رہتی ہے
کھلتی ہوئی اور کبھی بکھرتی ہوئی
میں اسے سمیٹ لیتی ہوں ہتھیلیوں میں
اور اچھال دیتی ہوں فضا میں!
وہ میرے ساتھ رہتی ہے
رنگ آمیز ہوا میں
تیز تیز قدموں۔ ہمراہ چلتی ہوئی

اور بے رنگ لمحوں میں

خاموش قدموں

واپس پلٹتی ہوئی!"26

اس نظم میں عورت کی بے بسی کی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کی خواہشیں اس کی حسرتیں ہر وقت اس کے ساتھ رہتی ہیں۔ وہ کبھی ان سے لاتعلق نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ اپنی لاحاصل حسرتوں کی راکھ کریدتی ہے تو کوئی چنگاری اس کے اندر سلگ اٹھتی ہے۔ ایک لمبے عرصے تک عورت نے یہ تمام زیادتیاں برداشت کیں ہیں لیکن اب اس راکھ سے بغاوت کی چنگاری یعنی احتجاجی رویے نے جنم لیا ہے اور وہ اپنے لیے آواز بلند کر رہی ہے کیونکہ وہ اپنی ان دلخراش کیفیات سے نکلنا چاہتی ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ اس کا حق نہ ملنے پر وہ چپ چاپ اپنے بے رنگ لمحوں میں قید ہونے کے لیے واپس لوٹ جائے۔

"ہم تینوں

حجاب میں مستور گناہ

سگریٹ میں بھسم ہو جانے والی شرافت

اور کرسی پر متمکن حسین لڑکی

دیکھنے والی آنکھوں کو کھرونچتی رہتی ہیں!

زبانیں، خارش زدہ کتے کی طرح

بھونکنے لگتی ہیں

حجاب لہرانے لگتا ہے

سگریٹ راکھ جھاڑتا ہے

اور کرسی ہنسنے لگتی ہے!

تینوں لڑکیاں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالتی ہیں

اور برج دھڑام سے گر جاتے ہیں

خارش زدہ کتے

تلوے چاٹنے لگتے ہیں

زمیں قہقہہ لگاتی ہے اور

چیخوں کی منتظر سماعتیں

چھلنے لگتی ہیں

خونی آنکھیں،

آسمان کی نیلاہٹ سے

منھ چھپانے لگتی ہیں!"27

اس نظم میں عورت کی بے قدری اور استحصال کا واضح الفاظ میں اظہار کیا گیا ہے عارفہ کے ہاں عورت کی اپنی ذات کی تلاش، اس کی ذات کی نفی کرنے پر غم و غصہ، بے چینی، پدرانہ نظام کے جبر و ستم پر طنز کیا گیا ہے۔ عصمت ریزی کرنے والے مردوں کو خارش زدہ کتوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ مرد ہر طرح کی عورت کی طرف اپنی نظریں گاڑھے رکھتا ہے خواہ اس عورت کا تعلق کسی بھی طبقے سے ہو۔ وہ گھر سے باہر قدم نکالنے پر بری نظروں کا سامنا کرتی ہے۔ سماج کے یہ نام نہاد عزت دار جنسی لذت سے محظوظ ہونے کے لیے خارش زدہ کتوں کی طرح ان کے تلوے چاٹتے ہیں۔ ان کے استحصال سے خوش ہوتے ہیں۔ زمین ان عورتوں کی بے بسی اور لاچاری کی کیفیت کو دیکھ کر قہقہے لگاتی ہے۔

حوالہ جات

1۔ انور پاشا، تانیثیت اور ادب، عرشیہ پبلی کیشنز، ص66، 67

2۔ نجمہ منصور، کلیات نجمہ، منصور بک کارنر، جہلم پاکستان، 2016، ص1

3۔ ایضاً، ص43

4۔ ذوالفقار احسن، سہ ماہی کتابی سلسلہ، اسالیب سرگودھا پاکستان، شمارہ نمبر29، نجمہ منصور نمبر، جنوری تا اپریل 2021، ص42

5۔ ایضاً، ص46

6۔ نجمہ منصور، کلیات نجمہ، منصور بک کارنر، جہلم پاکستان، 2016، ص40

7۔ فرحت عباس شاہ، کلیات نجمہ منصور، منصور بک کارنر، جہلم پاکستان، ۲۰۱۶ء، ص242

8۔ نجمہ منصور، کلیات نجمہ، منصور بک کارنر، جہلم پاکستان، 2016، ص116

9۔ صلاح الدین درویش، ڈاکٹر، دیباچہ، موت کی ریہرسل، سدرہ سحر عمران، فنکشن ہاؤس، لاہور، 2020، ص22

10۔ سدرہ سحر عمران، موت کی ریہرسل، فنکشن ہاؤس، لاہور، 2016، ص35، 36

11۔ سدرہ سحر عمران، ہم گناہ کا استعارہ ہیں، فنکشن ہاؤس، لاہور، 2016، ص59، 60

12۔ ایضاً، ص78، 79

13۔ ایضاً، ص204، 205

14۔ ایضاً، ص149، 150

15۔ سدرہ سحر عمران، موت کی ریہرسل، فنکشن ہاؤس، لاہور، 2020، ص230، 231

16۔ عذرا عباس، میز پر رکھے ہاتھ، کلاسک پبلشرز، کراچی، ۱۹۹۸ء، ص32، 33

17۔ ایضاً78، 79

18۔ ایضاً، ص22، 23، 24

19۔ انور پاشا، تانیثیت اور ادب، عرشیہ پبلی کیشنز، ص166، 167

20۔ عذرا عباس، میز پر رکھے ہاتھ، کلاسک پبلشرز، کراچی، 1998، ص84، 85

21۔ ایضاً، ص61، 62

22۔ ایضاً، ص76، 77

23۔ حیسبیر جین، ترجمہ، اعزاز باقر، "تحریک نسواں (ثقافت، موضوعیت اور نمائندگی)"، مشعل بکس، لاہور 2014، ص۲۲۶

24۔ عارفہ شہزاد، خود کلامی کا روزنامچہ، پبلشرز، ص150، 151

25۔ ایضاً، ص145، 146

26۔ ایضاً، ص177، 178

27۔ ایضاً، ص189، 190

28۔ ایضاً، ص158، 159

باب چہارم:

مجموعی جائزہ

سماج میں مختلف معاشروں میں عورت کے ساتھ ناروا رویہ اپنایا گیا۔ اسے مردوں کے برابر حقوق لینے میں نہایت مشکلات درپیش آئیں۔ عورت کی بحثیت اپنی کوئی شناخت نہ تھی۔ بیٹی، بہو، بیوی جیسے رشتوں میں قید کر کے اس کے تشخص کو مسخ کر دیا گیا۔ مختلف تہذیبوں میں مختلف انداز اپناتے ہوئے اس کی تذلیل کی گئی۔ اسے اپنے وجود پر شرمندہ ہونے پر مجبور کر دیا گیا۔ عورت ایک لمبا عرصہ جبر و قہر کی اس چکی میں پستی رہی۔ ان تمام مظالم کے خلاف آواز اٹھانے کے لیے نسائی تحریکوں نے جنم لیا۔ ان تحریکوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب عورتیں اپنے حق کے لیے آواز اٹھانے لگیں۔ تحریک نسواں عورتوں کے حقوق کی علمبردار تحقیق تھی اس میں ان کی ذاتی رائے اور مردوں کے برابر حقوق پر آواز اٹھائی گئی۔ عورتوں کی تعلیم و تربیت کی جانب توجہ دی گی۔ ان کے لیے درسگاہوں کا قیام عمل میں لایا گیا۔ کچھ مرد حضرات نے بھی عورتوں کے حقوق کی بات کی اور فیمنسٹ کہلائے۔ ان تحریکوں کا مقصد نفرت کے جذبات کو پروان چڑھانا نہیں بلکہ عورتوں کو ان کے جائز حقوق کی فراہمی ہے۔

تانیثیت کی تحریک کا آغاز مغرب سے ہوا۔ اس تحریک کا بنیادی مقصد صنفی امتیازات کا خاتمہ اور عورت کے استحصال کو ختم کرنا تھا۔ تاکہ عورت خود مختار ہو سکے اور اپنے فیصلے خود کرنے میں آزاد ہو۔ اس پر بھائی، باپ، شوہر اور معاشرے کی طرف سے پابندیاں نہ لگائی جائیں۔ اس مغربی تحریک ہی کے نتیجے میں رفتہ رفتہ عورتوں کو ان کے حقوق ملنے لگے۔ عورت کی تعلیم، ملازمت، گھریلو مسائل، نجی مسائل، سیاسی حقوق غرض تمام مسائل کو زیر بحث لایا گیا۔ ان تحریکوں کا فائدہ یہ ہوا کہ بین الاقوامی سطح پر بھی عورت کے مسائل اور حقوق کو زیر بحث لایا گیا۔ تاکہ ان کے ساتھ عدم مساوات کا رویہ نہ رکھا جائے۔

عورتوں میں شعور اجاگر ہوا تو انہوں نے اپنے حقوق کے لیے قلم کے ذریعے بھی آواز بلند کی۔ مغربی لکھاریوں میں ورجینا وولف اور سیمون دی بووا نے اپنی تحریروں میں نسائیت کے مسائل قلمبند کیے۔

عورتوں میں اپنے حقوق کے لیے شعور کی رو اجاگر کرنے کے لیے تعلیم نسواں اور تہذیب نسواں جیسے رسائل نے اہم کردار ادا کیا۔ ادب میں افسانوں، ناولوں میں مصنفین نے بھی عورت کے مسائل، اس پہ

ہونے والے جبر و استحصال کو موضوع بنایا۔ عصمت چغتائی، ہاجرہ مسرور، قراۃ العین حیدر اور بانو قدسیہ نے عورت کے انفرادی و معاشرتی مسائل کو قلمبند کیا۔

شاعرات میں تانیثی تحریک کا اثر ادا جعفری، فہمیدہ ریاض، کشور ناہید اور پروین شاکر کے ہاں نظر آتا ہے۔ ان کے ہاں کہیں مشرقی انداز اور کہیں باغیانہ نسائی رویے کی جھلک نظر آتی ہے۔ فہمیدہ اور کشور ناہید کی شاعری میں عورت کے مسائل کو کھلم کھلا بیان کیا گیا ہے۔ نسائی آوازوں میں ناقابل فراموش نام کشور ناہید کا ہے۔ انہوں نے عورت کی ساخت، ذات کے شعور، شناخت، بے جا پابندیوں ہر پہلو کی جانب توجہ دلائی ہے۔

نثری نظم میں عروض کی بے جا پابندیوں کے بنا لکھا جاتا ہے۔ نثری نظم لکھنے کا آغاز فرانسیسی زبان سے ہوا نثری نظم کے حوالے سے مختلف مباحث کی جاتی ہیں۔ کوئی اسے 1699 سے قبل وضع کردہ صنف کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک 1834 اور بعض کے نزدیک 1912 میں نثری نظم کا آغاز ہوا۔ شروع میں اسے نظم معرا کا نام بھی دیا گیا۔ کیونکہ اس شاعری پر عروضی پابندیوں کے اثرات دیکھائی دے رہے تھے۔ بیسویں صدی کے پہلے نصف میں جب ادب میں دوسری زبانوں کے تراجم ہونے لگے۔ ٹیگور کی شاعری کے مختلف حصوں کے تراجم بھی کیے گئے۔ ان کی نظم 'گیتا نجلی' کا ترجمہ کے عنوان سے ہوا۔ ابھی اسی دور میں شاعری میں 'پنکھڑیاں' ایسی نظموں پر مشتمل تھا جسے 'نثری نظم' کا نام دیا گیا۔

نثری نظم کو آغاز میں نظم منثور اور نثر لطیف کا نام بھی دیا گیا۔ میرا جی نے رسالہ 'خیال' میں اپنے فرضی نام بسنت سہائے کے نام سے نظمیں لکھیں۔ نثری نظموں کے آغاز کا سہرا بسنت سہائے یعنی میرا جی کے سر بندھا۔

نثری نظم کی طرف رجحان بڑھنے لگا۔ شعرا اور شاعرات نے بھی اس صنف میں طبع آزمائی کی۔ جن میں کشور ناہید، افضال سید، قمر جمیل، ذیشان ساحل، نسرین انجم بھٹی، عذرا عباس اور فاطمہ حسن کے نام شامل ہیں۔

نثری نظم ہیت کے اعتبار سے آزاد نظم سے مختلف ہوتی ہے۔ اس میں بنیادی فرق رکنی اور لسانی آہنگ کا ہوتا ہے۔ عذرا عباس، نجمہ منصور، سدرہ سحر عمران اور عارفہ شہزاد نے نثری نظم میں نسائی

موضوعات کو بہت خوبصورت انداز میں تحریر کیا ہے۔ان کا انداز قارئین کی توجہ اس حساس موضوع کی جانب مرکوز کرلیتا ہے۔

عذرا عباس، نجمہ منصور،سدرہ سحر عمران اور عارفہ شہزاد کی نظموں میں ہمیں گھریلو عورتوں، طوائف اور کم عمر لڑکیوں کے مسائل نظر آتے ہیں۔ان شاعرات نے اپنی نثری نظموں کے ذریعے نسائی حسیات اور کیفیات کا اظہار کیا ہے۔عورت کے احساسات و جذبات اور کیفیات کو صرف عورت ہی بیان کر سکتی ہے۔ان کی نظموں میں ہمیں عورتوں کی لاحاصل خواہشات کا دکھ،اس کے خوابوں کی کرچیوں کی چبھن، معاشرے میں اسے کن نظروں کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان مسائل، جنسیت، عورت کا استحصال، اس کی گم شناخت تمام موضوعات پر قلم اٹھایا گیا ہے۔عورت میں اب یہ شعور آچکا ہے کہ وہ اپنے حقوق کے لیے آواز اٹھا رہی ہے ۔عورت کی دن بھر کی مصروفیت کا بھی تذکرہ کیا ہے ۔وہ دن بھر کے کاموں میں غرق اپنے خوابوں کو فراموش کر چکی ہے اس کا ذہن ہر وقت کاموں میں الجھا رہتا ہے۔وہ اپنے خوابوں کو اڑان دینا چاہتی ہے۔یہ نہ پورا ہونے والے خواب اس کے لیے ناسور زخم بن چکے ہیں۔اس لیے وہ اپنے خوابوں کو اڑان دینے کے جدوجہد میں ہے۔

تمام شاعرات کی نظموں میں ہمیں آزادی کے حوالے سے جدوجہد بھی نظر آتی ہے۔عورتیں جب اپنے اردگرد کے ماحول کا جائزہ لیتی ہیں تو خود پر عائد کردہ پابندیوں کو توڑنے کا فیصلہ کرتی ہے۔کیوں کہ وہ اس گھٹن زدہ ماحول میں نہیں رہ سکتی۔وہ ان سماجی روایات کی پاسداری کا مزید ٹھیکہ نہیں اٹھا سکتی اور اپنی ذات کی تلاش میں نکل پڑی ہے۔

نتائج:

میری تحقیق کے نتائج درج ذیل ہیں۔

1۔سیمون کے مطابق عورت ہوتی نہیں بلکہ بنائی جاتی ہے۔اس حوالے سے منتخب شاعرات کے ہاں سماجی اصول وضوابط کے خلاف بلند و دھیمے انداز میں اظہار کیا گیا ہے۔

2۔عارفہ شہزاد اور نجمہ منصور کے ہاں نسائی حسیات و کیفیات میں ایک دھیمہ انداز نظر آتا ہے۔جبکہ عذرا عباس اور سدرہ سحر عمران کے ہاں احتجاجی رویہ نظر آتا ہے۔

3۔ سماج کے مروجہ اصول وضوابط سے انحراف کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

سفارشات:

1۔ دیگر شاعرات کے نسائی حسیات وکیفیات کا مغربی شاعرات کے ساتھ تقابلی مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

2۔ دیگر شاعرات کے ہاں سماجی رویوں کے مطالعہ کی بھی ضرورت ہے۔

3۔ ان کی نظموں میں کرداری نظمیں بھی شامل ہیں۔ ان پر بھی سیر حاصل گفتگو کی ضرورت ہے۔

کتابیات

بنیادی مآخذ:(WORKING BIBLIOGRAPHY)

۱۔ سدرہ سحر عمران، "موت کی ریہرسل" فنکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۲۰ء

۲۔ سدرہ سحر عمران، "ہم گناہ کا استعارہ ہیں"، فنکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۶ء

۳۔ عارفہ شہزاد، "عورت ہوں نا"، عکس پبلیشرز

۴۔ عارفہ شہزاد، "خود کلامی کا روزنامچہ" پبلیشرز، سن اشاعت ندارد

۵۔ عذرا عباس، "میز پر رکھے ہاتھ"، کلاسک پبلشرز، کراچی، ۱۹۹۸ء

۶۔ نجمہ منصور، میں، "سپنے اور آنکھیں"، مکتبہ فکر و خیال لاہور، ۱۹۹۰ء

۷۔ نجمہ منصور، "محبت کیوں نہیں کرتے"، العبد پبلی کیشنز سرگودھا، لاہور، ۱۹۹۲ء

۸۔ نجمہ منصور، "اگر نظموں کے پر ہوتے"، عکس پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۸ء

۹۔ نجمہ منصور، "تم"، شام کے بعد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۱ء

۱۰۔ نجمہ منصور، "نظم کی بارگاہ میں"، مثال پبلشرز، فیصل آباد، ۹۲۰۱ء

۱۱۔ نجمہ منصور، "کلیات نجمہ"، منصور بک کارنر، جہلم پاکستان، ۲۰۱۶ء

ثانوی مآخذ:(SECONDARY SOURCES)

1۔ ادا جعفری (بدایونی)، "میں ساز ڈھونڈتی رہی"، غالب پبلشرز دوسرا ایڈیشن، دسمبر ۱۹۸۲،

2۔ اعجاز الرحمٰن، "تانیثیت اور قراۃ العین حیدر کے نسوانی کردار"، عرشیہ پبلی کیشنز، دھلی، ۲۰۱۰

3۔ الطاف حسین حالی، مقدمہ شعر و شاعری، ناشر سرسید بکڈپو، علی گڑھ، ۱۹۲۸، ص ۲۷

4۔ انور پاشا، "تانیثیت اور ادب"، عرشیہ پبلی کیشنز

5۔ پروفیسر خواجہ محمد اکرم الدین، اکیسویں صدی کا نسائی ادب، ورلڈ اردو ایسوسی ایشن نئی دہلی (انڈیا)، ۲۰۲۲

6۔ حیسبیر جین، ترجمہ، اعزاز باقر، "تحریک نسواں (ثقافت، موضوعیت اور نمائندگی)"، مشعل بکس، لاہور، ۲۰۱۴ء

7۔ذوالفقار احسن،سہ ماہی کتابی سلسلہ،اسالیب سرگودھا پاکستان،شمارہ نمبر29، نجمہ منصور نمبر،جنوری تا اپریل2021،

8۔رضیہ پروین،ڈاکٹر عارفہ شہزاد کی علمی و ادبی خدمات(تحقیقی مقالہ)،یونیورسٹی آف سرگودھا کمانڈ کالج ساہیوال،2017

9۔سلطانہ بخش،"پاکستانی اہل قلم خواتین ایک ادبی جائزہ"،اکادمی ادبیات،پاکستان اسلام آباد،۲۰۰۳ء

10۔سیمون دی بووا ترجمہ یاسر جواد،جسمانی،تاریخی،نفسیاتی اور معاشرتی مطالعہ عورت،فنکشنہاؤس

11۔سیما صغیر،ڈاکٹر،"تانیثیت اور اردو ادب"(روایت،مسائل اور امکانات)،براؤن بک پبلیکیشنز،۲۰۱۸ء

12۔شہناز نبی،ڈاکٹر،تانیثی تنقید،کلکتہ یونی ورسٹی

13۔عصمت جمیل،ڈاکٹر،"نسائی شعور کی تاریخ اردو افسانہ اور عورت"،مقتدرہ قومی زبان،پاکستان،۲۰۱۲ء

14۔عظمیٰ فرمان فاروقی، ڈاکٹر ،"اردو ادب میں نسائی تنقید"،(روایت،مسائل و مباحث)، سعید پبلی کیشنز،کراچی،۲۰۱۳ء

15۔عقیلہ جاوید،"اردو ناول میں تانیثیت"،بہاالدین زکریا یونیورسٹی،ملتان،۲۰۰۵ء

16۔فاطمہ حسن،"فیمنزم اور ہم،وعدہ کتاب گھر"،کراچی،۲۰۰۵ء

17۔فاطمہ حسن،ڈاکٹر،اردو شاعرات اور نسائی شعور،انجمن توقی اردو(ہند)،۲۰۲۲،

18۔فیروز الدین،مولوی،(مرتبہ)فیروز الغات، ظہیر سلام پرنٹر و پبلشر،۲۰۰۵ء

19۔ قاضی جاوید،ڈاکٹر،"اردو ادب اور تانیثیت"،پورپ اکادمی اسلام آباد،۲۰۰۲ء

20۔محمد عارف خان،ڈاکٹر،اردو میں نثری نظم کا آغاز وارتقاء(تحقیقی مقالہ)،طابع۔دویک آفسیت پریس،لکھنو،۲۰۱۱

21۔محمد عارف خان،ڈاکٹر،"اردو نثری نظم کا آغاز وارتقاء"،بالاگنج کراسنگ سیتاپور روڈ،لکھنو،۲۰۱۰